۷۸۹

۹۲

مسئلہ نورُ و بشر

پر

ایک تحقیقی نظر

المعروف بہ

رسالہ

نُور

مصنفہ

حضرت مولانا مولوی عنایت اللہ صاحب چشتی مدظلہ العالی

ناشر

نوری بک ڈپو بالمقابل دربار داتا صاحب لاہور

بفیضانِ کرم حضرت مرتبت پیر طریقت الحاج سید محمد معصوم شاہ صاحب جیلانی قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین

آستانہ عالیہ قادریہ نوریہ چک سادہ شریف گجرات

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
ACC NO. 140632
MAILSI

سالِ طباعت . . . ۱۹۷۰ء

بار اول ۱۱۰۰

نام کتاب . . . رسالہ نور

مصنف . . . . مولانا محمد عنایت اللہ چشتی

مطبع . . . . کیمبرج پرنٹرز - لاہور

ناشر . . . . نوری بک ڈپو - لاہور

قیمت - ۲.۵ روپے صرف - 5/2.5

TECHNICAL SUPPORT
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

ملنے کا پتہ

نوری بک ڈپو

زیر سایہ حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	پیش لفظ از حضرت مولانا محمد سعید نقشبندی مجددی مدظلہ	5
۲	پیرایۂ آغاز و تعارف مصنف رسالہ بشریت نبی صلی اللہ علیہ وسلم	9
۳	بخاری صاحب تبلیغی میدان میں	۱۰
۴	ضروری گذارش	۱۴
۵	حضورؐ نور ہیں یا بشر	۱۵
۶	حضورؐ نور بھی ہیں اور بشر بھی	۱۷
۷	ہندی مسلمانوں میں انتشار و اختلال کی ہوا	۲۰
۸	مولانا فضل رسول بدایونیؒ	۲۵
۹	شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تقلید سے بغاوت	۳۱
۱۰	نبی کریم صلعم کی بشریت	۳۵
۱۱	بشریت مطلقہ و بشریت النبیؐ	۳۹
۱۲	حدیث جابر رضی اللہ عنہ	۵۶
۱۳	بشر الطیب مصنفہ اشرف علی تھانوی	۵۹
۱۴	سوال نور و بشر کا منشاء	۷۰
۱۵	مسئلہ بشریت اور ابو الاعلیٰ مودودی	۷۲
۱۶	بخاری صاحب کی عبارتوں میں تضاد	۸۱
۱۷	خدا کا بے اختیار رہے بس بندہ۔ العیاذ باللہ	۹۳
۱۸	برکات نور حضور	۹۳
۱۹	شیطان کا استدلال	۹۷
۲۰	حقیقی فلسفہ	۹۸
۲۱	جامہ بشریت کے بعد	۹۹
۲۲	افضلیت بشر	۱۰۰
۲۳	قطعیت	۱۰۱
۲۴	صلصال و حماء مسنون کی تشریح	۱۰۶
۲۵	فرمان امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ عنہ	۱۱۵
۲۶	روح ایک ذات ہے	۱۲۲
۲۷	اصل اہمیت روح کو ہے	۱۲۵
۲۸	حضرت مجدد صاحب مشاہدہ حقائق کے بعد بات کرتے ہیں	۱۲۶
۲۹	علامہ ابن خلدون اور مسئلہ نبوت	۱۲۷
۳۰	انسان کے دو رخ	۱۳۰
۳۱	کہانت کی بحث	۱۳۳
۳۲	ناقص استعداد	۱۳۴
۳۳	علامہ ابن خلدون اور حضرت مجدد صاحب کے ماحول و مخاطبین میں فرق	۱۳۶
۳۴	نفس محرکہ و مدرکہ کی بحث	۱۳۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۵	شاہ اسمٰعیل دہلوی الخرق بشریت	۱۳۹
۳۶	ثبوت مقصد	۱۴۲
۳۷	نور کا صحیح و درست معنے	۱۴۵
۳۸	مخالف و موافق کلیتہ فکر کا متحد فتوے	۱۴۷
۳۹	انسان کامل مصنفہ حضرت سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانی	۱۴۸
۴۰	ذات الٰہی کا آئینہ	۱۵۰
۴۱	روح کے متعدد نام اور حضرت مصنف "انسان کامل" کی ملاقات	۱۶۱
۴۲	مصنف "انسان کامل" کا روح سے سوال	۱۶۲
۴۳	تجلیات کا مقصد	۱۶۵
۴۴	کتاب و سنت پر بنیاد	۱۶۸
۴۵	الہام کا معیار	۱۷۱
۴۶	ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے بیان میں	۱۳۱
۴۷	نور بیاں - نور عیاں	۱۸۱
۴۸	نور الٰہی کی ایک صورت	۱۸۲
۴۹	پردے اٹھا دیئے	۱۸۳
۵۰	نور ہدایت	۱۸۴
۵۱	نفس ناطقہ اور بدن	۱۸۶
۵۲	صفائی کامل	۱۸۷
۵۳	نور نبوت	۱۸۸
۵۴	حسن و جمال آپ کی پیدائش	۱۹۱
۵۵	کشف صریح	۱۹۲
۵۶	احمد واحد کا قرب	۱۹۵
۵۷	فاضل اجل مولانا ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلوی	۱۹۹
۵۸	مولوی محمد لکھوکے	۲۰۳
۵۹	حضرت ابو حنیفہ النعمانی رضی اللہ عنہ	۲۰۷
۶۰	اشعار منقول از قصائد قاسمیہ	۲۱۴
۶۱	لغزش کی بنیاد	۲۲۰
۶۲	نور کا مفہوم و مصداق	۲۲۳
۶۳	حیرت	۲۲۸
۶۴	مسئلہ صاف و واضح اور غیر مبہم ہے	۲۲۹
۶۵	قل انما انا بشر مثلکم کا مفہوم	۲۳۱
۶۶	علامہ ابن خلدون کا شرح بیان	۲۳۳
۶۷	ایک وزن دار حقیقت	۲۳۵
۶۸	حکایت	۲۳۶

نوری بک ڈپو - زیر سایہ داتا گنج بخش رح - لاہور

پیشِ لفظ

از حضرت مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مجددی مدظلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمام علمائے اہلِ سنت اور محققین صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے مثل نور ہیں۔ اور ہدایت و افادہ خلق کے لئے اس دنیا میں لباس بشریت زیب تن فرکر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں فرمایا۔ قد جاءکم من اللہ نور۔ اے لوگو۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور تشریف لایا ہے۔ خود حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ذات پاک کے متعلق فرمایا، اوّل ما خلق اللہ نوری۔ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا۔ یہ روائیت متعدد الفاظ کے ساتھ حضور علیہ السلام سے مروی ہے اور متصل السند ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے مکتوبات شریف میں ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

" باید دانست کہ خلق محمدی در رنگِ خلقِ سائر افراد انسانی نیست۔ بلکہ بخلق ہیچ فردے از افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود نشاء عنصری از نورِ حق جل وعلا مخلوق گشتہ کما قال علیہ السلام خلقت من نور اللہ و دیگراں را ایں دولت میسر نشدہ است "

(دفتر سوم مکتوب ۱۰۰)

یعنی " معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش دوسرے افراد انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ جہاں کے تمام افراد میں سے کوئی فرد بھی آپ کی پیدائش اور آپ کے وجود انور سے مناسبت ومشابہت نہیں رکھتا۔ کیونکہ آپ عنصری جسم رکھنے کے باوجود خدا تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں۔ اور دوسرے کسی فرد بشر کو یہ دولت وسعادت نصیب نہیں ہوئی "

اسی مکتوب میں ایک اور جگہ یہی عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نور لیست کہ در نشاء عنصری بعد از انصاب از اصلاب بار عام متکثرہ

بمقتضائے حکم و مصالح بصورت انسانی کہ احسن تقویم است ۔ظہور نمودہ است و مسمٰی بہ محمد و احمد شدہ ۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں جو عالم اجسام میں پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتے رہے ہیں اور پھر بخصوص حکم و مصالح کے پیش نظر انسانی صورت میں جو بہترین صورت ہے، دُنیا میں جلوہ گر ہوئے ۔اور محمد و احمد کے مبارک ناموں کے ساتھ موسوم ہوئے ہیں ۔

عقیدہ نور و بشریت میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا اس قدر واضح بیان سُن لینے کے بعد شک و شبہ باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ۔مگر افسوس کہ دیوبندی اور اہلِ حدیث حلقے اس عقیدے کو مشرکانہ عقیدہ قرار دینے پر بضد ہیں ۔

مسئلہ ذرا دقیق ہے ۔ اہلِ سنت کی طرف سے اس مسئلہ پر اَبتک جو کچھ لکھا گیا ہے ۔ وہ کہانی مختصر ہے ۔ دوسرے عام فہم اور دلنشیں نہیں اس مسئلہ پر عام فہم اور مبسوط کتاب کی بڑی ضرورت تھی ۔

حضرت مولانا عنائت اللہ چشتی عم فیضہٗ نے یہ کتاب تصنیف فرما کر اس ضرورت کو بہت حد تک پورا کر دیا ہے ۔خدا تعالےٰ حضرت مولانا موصوف کے قلم اور علم و فضل میں برکت دے ۔ اور ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا مقام عطا فرمائے اور حقیقت کے

متلاشی کے لئے اسے ذریعہ سکون وطمانیت بنائے۔

وھو علیٰ کل شیئ قدیر

وباجابة الدعاء جدیر

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی

خطیب مسجد حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ

لاہور پاکستان

۳۰۔ ذوالحجہ شریف ۱۳۸۰ھ

نوری بک ڈپو۔ متصل داتا دربار صاحب

لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیرایۂ آغاز

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

بشریتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عنوان بالا کے تحت ایک چھوٹا سا رسالہ دیکھا گیا ہے۔ جسے بتکلف ۱۲۸ صفحات میں پھیلانے کی سعی لا حاصل کی گئی ہے۔ اس رسالہ کی بنیاد ایک لایعنی مفروضہ پر رکھی گئی ہے۔ اور جس مفروضہ کی اساس پر بحث کا محل کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کا نہ تو کوئی قایل ہے۔ اور نہ ہی کوئی معتقد۔ فاضل مصنف اس مفروضہ کو بنیاد بنا کر حقیقت واقعیہ ثابت کرنے میں قطعی ناکام رہے ہیں۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ اس کی تفصیلات سے آگاہ ہوں گے حضرت مصنف ایک جانے پہچانے ادیب و خطیب ہیں۔ ان کے سامنے اس نازک ترین مسئلہ کے علاوہ کئی ضروری مسائل تھے جن پر قلم اُٹھانے سے خلق خدا کو فائدہ اور ملت اسلامیہ کی خدمت کا موقعہ میسر آسکتا تھا۔

مصنف کا اجمالی تعارف

سید نور الحسن شاہ بخاری ضلع ڈیرہ غازی خاں کے ایک چھوٹے سے

گاؤں "سکھانیوالا" مضافات جام پور کے رہنے والے ہیں بہترین مقرر اور اُردو کے ادیب ہیں۔ تعلیم کے متعلق اتنا معلوم ہوا کہ پنجاب یونیورسٹی کے منشی فاضل ہیں اور کچھ عرصہ اورنیٹل ٹیچر کی حیثیت سے ڈسٹرکٹ بورڈ ڈیرہ غازیخاں کے مدارس میں تعلیمی فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ عربی تعلیم کے متعلق صحیح معلوم نہیں ہوسکا۔ کہ کسی عربی دارالعلوم میں۔ درس وتدریس کے منصب پر بھی فائز رہے ہیں یا نہیں۔ بہت اچھے حافظے کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نہاں خانہ دماغ میں اردو اشعار کا ایک خاصہ ذخیرہ موجود ہے۔ اور اپنی تحریر و تقریر میں رومانی اشعار کا استعمال بلا تامل کرتے ہیں جس کا مظاہرہ انہوں نے اپنی "الاصحاب فی الکتاب" میں کھل کر کیا ہے جب اہل علم کی طرف سے تنقید۔ ہوئی تو انہیں دوسرے ایڈیشن میں متعدد اشعار حذف کرنا پڑے:

بخاری صاحب تبلیغی میدان میں

سردار احمد خان صاحب پتافی قصبہ جامپور (ڈیرہ غازیخان) ایک مخیّر رئیس تھے اور انہیں تبلیغ کا بھی بہت شوق تھا۔ انہوں نے تبلیغی نظام کو باقاعدہ اور زیادہ مؤثر بنانے کیلئے پاک وہند کا دورہ کیا اور مشاہیر علماء کے مشورے سے "تنظیم اہل سنت" کے نام سے ایک جماعت قائم کی جناب سید نور الحسن شاہ صاحب اول اول آخر ناظم قرار پائے۔ علاقہ کے بہت سے بااثر حضرات بھی اس تنظیم میں شامل ہوگئے۔ ایک پندرہ روزہ رسالہ بھی جاری کیا گیا۔ جناب بخاری صاحب

اس کے مختار کل اور مدیر مقرر ہوئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین مرحوم سجادہ نشین تونسہ مقدسہ اور ان کے زیر اثر بزرگوں نے اس تنظیم کی بھرپور امداد کی۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ مرحوم نے مبلغ دس ہزار روپیہ کی خطیر رقم تنظیم کیلئے مرحمت فرمائی تھی۔ ایک عرصہ تک تنظیم بہت اچھا کام کرتی رہی اور اس تنظیم کے تحت مبلغین کی ایک جماعت سابق پنجاب میں تبلیغی خدمات سرانجام دینے میں مصروف کار نظر آنے لگی۔ بخاری صاحب کی جماعت جبتک شیعیت و مرزائیت کی تردید اور خالص اسلامی تبلیغ تک محدود رہی۔ اس وقت تک تو وہ ترقی کرتی گئی اور مسلمان اسے نہایت عزو وقار کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور دُور دُور تک اس کا چرچا رہا۔ اور اسکے پندرہ روزہ آرگن "تنظیم اہل سنت" کا جانشین ہفتہ وار "دعوت" قرار پایا۔ جو ایک عرصہ تک نہایت کامیابی سے چلتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد بخاری صاحب کی پالیسی میں تبدیلی آگئی اور انہوں نے اہل سنت کے مابین اختلافی مسائل کو موضوع بحث بنانا شروع کر دیا۔ اور مسلک صوفیا اور اہل سنت بریلوی حضرات کے محبوب نظریات کی تردید کو اپنے پروگرام میں خصوصی طور پر شامل کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین مرحوم اور ان کے ہم مسلک با اثر حضرات تنظیم سے الگ ہو گئے جس سے جماعت کا پورا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

البتہ سردار احمد خاں صاحب پتافی کو بخاری نے اپنا پورا ہمنوا بنا لیا تھا۔ وہ

یہ کی کمی کو اپنی گرہ سے پورا کر دیتے تھے لیکن تا بہ کَے۔ سردار صاحب کی وفات کے ساتھ "دعوت" نے دم توڑ دیا۔ اور ساتھ ہی جماعتی نظم و نسق کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اَب مبلغین تنظیم نے محمود احمد عباسی کے رسوائے عالم نظریات کو اپنا کر رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی ہے۔

اَب تنظیم اہل سنت بخاری صاحب کی ذات کا دوسرا نام ہے۔ لہذا انہوں نے تبلیغی دورے بہت کم کر دیئے ہیں میں نے اُوپر بیان کیا ہے کہ بخاری صاحب اچھے مقرر ہونے کے علاوہ محرر بھی ہیں۔ اسلئے انہوں نے تالیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تشیع نظریات کے خلاف اُنکی متعدد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اگرچہ ان میں کوئی جدّت و نُدرت تو نہیں لیکن ان کا اندازِ بیاں دلکش ہے۔ اس لئے ان کی سیل (بکری)، بخاری صاحب کی ضروریات کی کفیل ہو جاتی ہے۔ "رسالہ بشریۃ النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نئی مہم کا نتیجہ ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے اپنے فن سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسالہ بخاری صاحب کی ادبیت کا عمدہ شاہکار ہے جسے موقعہ بموقعہ اشعار سے مزیّن کیا گیا ہے۔ اور جہاں تک استدلال کا تعلق ہے اس میں وہ تمام مواد موجود ہے۔ جو ایک ناکام تصنیف میں موجود ہونا چاہیئے باوجودیکہ یہ ایک گمراہ کن دستاویز ہے۔ علماء نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ مجھے بعض دوستوں نے مجبور کیا کہ اس کا محاسبہ کرنا چاہیئے کیونکہ مسلمانوں کے ایک طبقہ

میں یہ رسالہ غلط فہمی پھیلانے کا باعث ہو رہا ہے۔ اسلئے میں نے ارادہ کیا، کہ رسالہ کے ان مقامات کی نشاندہی کر دوں جس سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ جناب بخاری صاحب میرے محترم دوست ہیں۔ اور میں نے ان کی تبلیغی کوششوں کو ہمیشہ احترامی جذبات سے سراہا ہے۔ لیکن عقائد کا معاملہ ذاتی دوستی و دشمنی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس لئے توقع ہے کہ وہ ناراض نہیں ہونگے اور بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحریر انہیں رجوع پر آمادہ کر دے۔

اسلامی - ادبی - تاریخی - درسی

و دیگر کتب

کے علاوہ قرآن مجید کا واحد مرکز

نوری بک ڈپو - زیر سایۂ داتا گنج بخش

لاہور

ضروری گزارش

میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بخاری صاحب کی عبارتیں جہاں کہیں نشاندہی کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ عبارت پورے طور پر نقل کر دوں تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ نامکمل عبارتوں کو نقل کیا گیا ہے۔

"بشریۃ النبی" صلی اللہ علیہ وسلم کے ص۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسے ملت اسلامیہ کی بدقسمتی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ کہ عہد حاضر میں بعض ایسے مسائل و عنوانات محل بحث و نزاع بن گئے ہیں جن کا کچھ مدت پیشتر وجود تو کہاں موجود ہونا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انہی مسائل میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ:۔

حضورؐ نور ہیں یا بشر

علمی مسائل و مباحث جس قدر بھی ہیں۔ کتابوں میں موجود ہیں حضرات صحابہؓ فقہاؒ۔ محدثینؒ اور علمائے متکلمینؒ نے ان مسائل پر بحث کی اور خیال آرائی فرمائی ہے۔ اصولی عقائد و تصورات سے لیکر فروعی فقہی اختلافات تک ہر عنوان پر کلام کیا گیا ہے ——— لیکن آج سے کچھ مدت پیشتر اس نوری۔ بشری بحث کا کہیں وجود تک نہیں ملتا۔ نہ خیر القرون میں کہیں یہ عنوان

نظر آتا ہے، نہ علمائے متقدمین و متوسطین نے اس پر بحث کی ہے اور نہ ہی متاخرین حضرات نے اس مسئلہ کو محل کلام و نزاع بنایا ہے۔

قریبًا نصف صدی پیشتر اس مسئلہ پر کامل اتفاق و اتحاد تھا اور مکمل یکرنگی وہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ قطعًا دو راہیں نہیں تھیں۔ فرنگی کے عہدِ اقتدار میں ہندی مسلمانوں کے اندر انتشار و اختلال اور افتراق و انشقاق پیدا کرنے کیلئے جن مسائل و عنوانات کی وضع و تخلیق ہوئی۔ ان میں یہ عنوان سرفہرست ہے۔ اس وقت سے اس عنوان پر ہنگامہ خیز جلسے ہوتے ہیں۔ دھواں دھار تقاریر ہوتی ہیں۔ تفریق بین المسلمین کی آندھی چلتی ہے۔ تکفیر کی مشین گن لاکھوں مسلمانوں کے متاع ایمان پر آگ برساتی ہے۔ بے خبر عوام کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ نوبت بحث مباحثہ اور کلام و مناظرہ سے محاربہ و مقاتلہ تک بھی کہیں پہنچی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

سوال کی نوعیت۔ باعث نزاع و خلاف اور وجہ تکرار و فساد یہ سوال ہے کہ:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر۔

جواب پر بحث کرنے سے پہلے اگر سنجیدگی سے سوال ہی پر غور کر لیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ یہ سوال عجیب نوعیت کا ہے کیونکہ صرف یا تقابل و تباین و تضاد و منافات کو چاہتا ہے۔ جہاں اجتماع ممکن نہ ہو پھر تضاد و تقابل میں ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ غیر جنس میں مقابلہ ایک مضحکہ خیز حرکت ہے۔

مثلاً دن اور رات، سایہ اور دھوپ، سردی اور گرمی، جمعہ اور ہفتہ ان کی جنس بھی ایک ہے، اور باہم تضاد و منافات بھی ہے۔ دن ہے۔ تو رات نہیں۔ اور سایہ ہے تو دھوپ نہیں، سردی ہے تو گرمی نہیں۔ اور جمعہ ہے تو ہفتہ نہیں، دن میں اجتماع ممکن نہیں۔ لہٰذا ان میں تقابل ہے۔ اور یہ سوال ہو سکتا ہے:۔

ہ______ اس وقت دن ہے یا رات

ہ______ صحن میں سایہ ہے یا دھوپ

ہ______ آج سردی ہے یا گرمی۔

ہ______ امروز جمعہ ہے یا ہفتہ

یہ سوال معقول ہیں۔ لیکن جب جنس واحد نہ ہو اور باہم تضاد و منافات بھی نہ ہو۔ وہاں تقابل کا سوال لغو اور نامعقول ہوگا۔ مثلاً

اس وقت دن ہے یا گرمی

صحن میں سایہ ہے یا رات

آج سردی ہے یا ہفتہ

امروز جمعہ ہے یا دھوپ

سرے سے یہ سوال ہی صحیح نہیں۔ کیونکہ نہ تو دن اور گرمی، سایہ اور رات وغیرہ کی جنس ایک ہے۔ اور نہ ہی سردی اور جمعہ یا ہفتہ اور دھوپ

میں اجتماع ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اس وقت دن بھی ہو اور گرمی بھی۔
صحن میں سایہ بھی ہو۔ اور دھوپ بھی۔ آج ہفتہ بھی ہو اور سردی بھی۔
امروز جمعہ بھی ہو اور دھوپ بھی۔

حضور نور ہیں یا بشر

بھی اسی نوعیت کا سوال ہے۔ نور اور بشر کی نہ تو جنس واحد ہے۔
اور نہ ہی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نور کی ضد ظلمت۔ اور بشر کی
ضد جن۔ قولہ تعالےٰ۔

(۱) یخرجہم من الظلمت الی النور ۔ بقرہ رکوع ۳۴ پارہ ۳۔
(۲) تخرج الناس من الظلمت الی النور ۔ آغاز سورہ ابراہیم پارہ ۱۳
(۳) ماخلقت الجن والانس سورہ ذاریات رکوع ۳ پارہ ۲۷
(۴) من الجنۃ والناس آخر سورہ ناس پارہ ۳۰

جب بشر اور نور میں تضاد و منافات نہیں۔ کہ اجتماع محال ہو۔ تو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق سوال کرہ۔
نور ہیں یا بشر۔ ایک لایعنی اور نامعقول سوال ہے۔ یا سے تو وہاں سوال
ہو۔ جہاں اجتماع محال ہو۔ اور دو چیزوں میں سے ایک متعین کرنی ہو۔ جہاں
اجتماع ممکن ہو۔ وہاں "یا" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ —
نبی کریم نور بھی ہیں۔ اور بشر بھی۔

خلقت کے اعتبار سے آپ بشر ہیں۔ سید البشر، خیر البشر، فخر بنی آدم، اور صفت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ مصدر نور، منبع نور، مطلع انوار ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نور ہی نہیں بلکہ منیر ہیں ۱۔ باعتبار صفت حضور صرف نور ہی نہیں۔ بلکہ منیر ہیں۔ قرآن کریم آپ کو سراجاً منیراً کے لقب سے ملقب فرما کر آپ کی صفت تاثیر و تنویر کو عالم آشکارا کر رہا ہے۔ تو آپ صرف نور اور خود منور ہی نہیں بلکہ منیر ہیں۔ آپ کے قدوم پاک سے دنیا کو نور ملا ہے۔ ؎

ترے نقش قدم کے نور سے دنیا ہوئی روشن
تیرے مہر کرم نے بخشی ہر ذرے کو تابانی

(بشریۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بلفظہ۔ ص ۳-۴-۵-۶۔)

رسالہ "بشریۃ النبی" کے پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی لاطائل طویل عبارت ادبی بھول بھلیاں کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے۔ سچ پوچھیے تو ادبیت بھی بعض اوقات ایک مرض کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس کا مریض ایک واضح اور آسان مفہوم کو الفاظ کے ہیر پھیر اور عبارات کے چکر میں پھنسا کر ایک گورکھ دھندا بنا دیتا ہے۔ اس لمبی عبارت کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔ تو سوائے اس کے کوئی مفہوم برآمد نہیں ہو سکتا۔ کہ بشریت اور نور ایک ذات میں جمع ہو سکتے ہیں۔ اور دونوں کے متعلق لفظیا سے سوال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ ایسا ان دو چیزوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

جہاں ان کا اجتماع محال ہو۔ اور جہاں دونوں چیزیں جمع ہو سکتی ہوں۔ وہاں یا سے سوال کرنا منع ہے۔ ناجائز ہے۔ لغو ہے:

مولوی بخاری صاحب کی ادبیت نے جہاں قاری کو اُلجھن میں ڈالا ہے۔ وہاں وہ خود بھی الجھن میں پھنس گئے ہیں اور ایسے پھنسے کہ اب اس دلدل سے نکلنے کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ اگر اس مفہوم کو مختصر و مناسب عبارت میں بیان کر دیتے تو شاید اس دلدل سے بچ جاتے۔ جس میں اب وہ پھنس گئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

"اسے ملت اسلامیہ کی بدقسمتی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ کہ عہد حاضر میں بعض ایسے مسائل و عنوانات محل بحث و نزاع بن گئے ہیں۔ جن کا کچھ مدت پیشتر وجود تو کہاں موجود ہوتا۔ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ "بشریت صہ"

ذرا آگے چل کر صہ پر ارشاد ہوتا ہے۔

"فرنگی کے عہد اقتدار میں ہندی مسلمانوں کے اندر انتشار و اختلال اور افتراق انشقاق پیدا کرنے کے لیے جن مسائل و عنوانات کی وضع و تخلیق ہوئی۔ ان میں یہ عنوان (بشریت و نور) سرفہرست ہے۔

مولانا کی ادبیت کے اس حصہ سے جو مفہوم اخذ ہوتا ہے۔ اس سے مجھے اتفاق ہے۔ اور جس حصہ سے مجھے اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت مناسب مقام پر کر دی جائیگی۔ انشاءاللہ

مولانا کا ارشاد کہ ہندی مسلمانوں میں انتشار و اختلال پیدا کرنے کے لئے مختلف عنوانات فرنگی کی پیداوار ہیں۔ صحیح درست اور مسلمہ تاریخ کے بالکل مطابق موافق ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی کو فتح کیا۔ اور ۱۸۱۹ء میں شاہ اسماعیل دہلوی اور مولوی عبدالحئی نے سید احمد بریلوی سے بیعت کی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں سوا شیعہ اور سنی کے کوئی معتد بہا فرقہ نہیں تھا۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے مکمل امن و سکون۔ اتحاد و یکجہتی تھی۔ بخاری صاحب کا فرمانا صحیح ہے کہ ہندی مسلمانوں میں انتشار و اختلال کی آگ فرنگی کی دسیسہ کاری ہے۔ ہندی مسلمانوں میں افتراق و انشقاق کا پہلا شعلہ اس وقت بلند ہوا۔ جب خاندان ولی اللہی کے ایک ہونہار صاحب علم نوجوان نے انگریز کے دام تزویر میں پھنس کر امام ہمام حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور دہلی کی مجلسوں، مسجدوں اور چوراہوں میں کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کا قلادہ اتار دیا ہے۔ اور خود سر ہو کر اپنے خاندان اور بزرگوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے مسلک کو چیلنج کیا۔ کچھ عرصہ تو علماء نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔ لیکن جب پانی سر سے گزر گیا۔ تو علماء دہلی نے اس کا جواب دیئے بغیر خاموش رہنا مناسب نہ سمجھا۔ شاہ عبدالعزیز اس زمانہ میں نابینا اور ضعیف ہو چکے تھے۔ اور ایسے جھگڑوں کو اپنے ذمہ لینے کے قابل نہ تھے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اظہار ناپسندیدگی کیا۔ بلکہ شاہ اسمٰعیل کو خاندان

ولی اللٰہی کی سجادگی سے محروم کر کے اس مسند کی دستار "شاہ اسحاق" کے سر رکھی - اس سے زیادہ شاہ عبد العزیز کر ہی کیا سکتے تھے - باوجودیکہ شاہ اسمٰعیل آپ کے حقیقی بھتیجے تھے اور شاہ اسحاق نواسہ تھے - مولوی اشرف علی تھانوی شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مداحوں میں سرفہرست ہیں - انہوں نے ایک کتاب ترتیب دی ہے جس کا نام ہے "حکایات اولیاء" اس کے ص ۱۱۹ پر مندرجہ ذیل حکایت ۳۰ ملاحظہ ہو -

"خاں صاحب نے فرمایا - کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے - کہ شاہ اسحاق صاحب بیان فرماتے تھے - کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا - تو مولوی محمد علی صاحب - و مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبد العزیز صاحب کے شاگرد تھے - اور اُن کے کاتب تھے - شاہ صاحب (مراد شاہ عبد العزیز) سے عرض کیا - کہ حضرت مولوی اسمٰعیل نے "رفع یدین" شروع کیا ہے - اور اس سے مفسدہ پیدا ہو گا - آپ ان کو روک دیجئے - شاہ صاحب نے فرمایا - میں تو ضعیف ہو گیا ہوں - مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا - میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں - تم میرے سامنے ان سے مناظرہ کر لو - اگر تم غالب آ گئے تمہارے ساتھ ہو جاؤنگا - اور اگر وہ غالب آگیا - تو اُس کے ساتھ ہو جاؤنگا - مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے - اور کہا کہ حضرت ہم مناظرہ نہ کرینگے"

اس پر شاہ صاحب نے فرمایا۔ کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے۔ تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا۔ تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی کر دی ہے۔ مگر یہ مولوی اسماعیل کو کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں) تو آپ نے فرمایا۔ میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دو۔ کہ وہ رفع یدین نہ کیا کرے۔ کیا فائدہ ہے۔ خواہ مخواہ عوام میں شورش پیدا ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا۔ کہ حضرت میں کہہ دونگا۔ مگر وہ مانے گا نہیں۔ اور حدیثیں پیش کریگا۔ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا۔ کہ گو انہوں نے یہ جواب دیدیا ہے۔ مگر وہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمعیل صاحب سے کہلایا۔ کہ تم رفع یدین" چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمعیل صاحب کو کہا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔

کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے۔ تو اس حدیث کے کیا معنے ہونگے:۔

من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد۔

کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا۔ عوام میں شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اسکو

سنکر شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا :۔

"بابا ہم تو یہ سمجھے تھے۔ اسمعیل عالم ہو گیا ہے۔ مگر وہ تو ایک حدیث کے معنے بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے۔ جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو۔ اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل دوسری سنت ہے"

جب مولوی اسمعیل صاحب سے بیان کیا۔ تو وہ خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا :۔

تھانوی صاحب یہ واقعہ بیان کرنیکے بعد تحریر کرتے ہیں :

اس وقت بیساختہ زبان پر یہ آتا ہے۔ فوق کل ذی علم علیم

بخاری صاحب قبلہ۔ ہم نے تو آپ کے نظریہ کی تصدیق کر دی۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ آپ نے کوئی دلیل نہیں دی تھی۔ ہم نے آپ کو دلیل مہیا کر دی۔ بالکل صحیح اور درست ہے۔ کہ ہندی مسلمانوں میں افتراق و انشقاق کی آگ فرنگی کی جلائی ہوئی ہے۔ دہلی ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے تسلط میں آتی ہے۔ صرف دس بارہ برس کے قلیل عرصہ میں وہ ہم سے ولی اللّٰہی خاندان کا ایک سربرآوردہ نوجوان جو زیور علم سے مزین ہے۔ چھین لیتے ہیں۔ اور اسے کچھ ایسا فسون پھونک دیتے ہیں۔ کہ وہ کسی کی نہیں سنتا۔ شاہ عبد العزیز رح۔ شاہ عبد القادر رح صاحبان نہ صرف یہ کہ شاہ اسمعیل کے حقیقی چچا اور اُستاد اور بزرگ ہیں۔ بلکہ پورے ہندوستان

اور بیرون ہندستان میں بھی انہیں پیشوا اور علم و معرفت کا ستون تصور کیا جاتا ہے۔ اور شاہ اسمعیل ہیں۔ کہ ان کی ہرسنی ان سنی کر کے ٹال دیتے ہیں۔ اور ان بزرگوں کا صرف اتنا بس چلتا ہے۔ کہ ایسے ولی اللہی خاندان کی جانشینی سے محروم کر کے تمام اموال و اسباب سے لاتعلق کر دیتے ہیں۔ جس کا انہیں زندگی بھر قلق رہا۔ لیکن افسوں گر فرنگی نے کچھ ایسا نشہ پلایا۔ جسے کوئی ترشی نہ اتار سکی:

چوں نوبت بایں رسید۔ کہ شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ صاحبان کی نصیحت گوش ہوش تک پہنچنے سے قاصر رہی تو خاندان ولی اللہی کی معنوی اولاد یعنی شاگرد علمی اسلحہ سے لیس ہو کر میدان مبارزت میں سینہ سپر ہو گئے۔ اور صاحبزادہ کو جس کے مُنہ سے ابھی دودھ کی بُو آتی تھی۔ میدان میں للکارا اور وہ پچھاڑ دی۔ کہ صاحبزادہ صاحب کی چشم وا ہو گئی۔

اس میدان میں صدر الصدور مفتی صدر الدین صاحب مرحوم آزادی ہیئند کے اولین پیشوا مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیرآبادی۔ حضرت مولانا مخصوص اللہ صاحب خلف الرشید حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور اُن کے برادر محمد موسےٰ صاحب مقدمتہ الجیش تھے۔ اب شاہ اسمعیل ہیں۔ کہ اپنی بے بضاعتی کے پیش نظر کنی کتراتے ہیں۔ بعد بعض اوقات اپنے رفیق خاص مولوی عبدالحی صاحب کو ان شیروں کے نرغہ میں پھنسا کر خود رفوچکر ہو جاتے ہیں۔

مولانا فضل رسول بدایونی صاحب مولوی اسمعیل صاحب کے ہمعصر ہیں۔ اور ابتدائی دینی وملی بغاوت جو شاہ اسمعیل کے ذریعہ ہندوستان میں شروع ہوئی اور اس میدان میں جو اہم معرکے ہوئے۔ ان کے وہ عینی شاہد ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب "سیف الجبار" نامی لکھی ہے۔ جو باوجود مختصر ہونے کے ان حالات کی کافی حد تک پردہ کشائی کرتی ہے۔ بخوف طوالت میں ایک مختصر سا حوالہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ مولانا ایک مناظرہ کی روئداد جو مابین مولانا فضل حق خیرآبادی و مولانا رشیدالدین خان۔ و مولانا مخصوص اللہ صاحب و مولانا محمد موسے صاحب فرزندان شاہ رفیع الدین اور مولوی عبدالحی و مولوی اسمعیل کے ہوا۔ اپنی کتاب "سیف الجبار" کے صفحہ ۶۴ پر یوں تحریر کرتے ہیں۔

پھر تو یہ حال ہوا۔ کہ ہر ایک مسئلہ میں ادنی ادنیٰ آدمی سے قائل ہونے لگے۔ اور اطراف و جوانب میں بھی یہ تقریریں اور تحریریں جابجا پھیل پڑیں۔ سب پر ظاہر ہو گیا۔ کہ مولوی اسمعیل کا طریقہ مخالف ہے۔ تمام سلف صالح کے اور اپنے خاندان کے بھی مخالف ہیں۔ اور سبب اعتبار کا وہی نسبت خاندان کی تھی۔ جب اس کے بھی خلاف ٹھہرے تو کچھ اعتبار نہ رہا۔ اور ساری قلعی کھل گئی۔ اور ہر ایک جگہ جو اہل علم تھے۔ متوجہ ہوئے اُن کی بے دینی کے اظہار اور اس کے رد کرنے پر۔ ایسے سببوں سے آگ ان کے فتنہ کی ٹھنڈی ہو گئی۔ اور نئے دین والے بھی زبان دبا کر بات کرنے لگے۔ اور توجہ باپ بہائے

ہیں (آج تک ان لوگوں میں یہی چیز موجود تھی) اور تقیہ جاری ہوا۔ ہزاروں ہزار آدمی اس طریقہ سے تائب۔ صرف وہی لوگ کہ جن کو سخن پروری کا پاس دین پر غالب ہوا۔ یا جن کو وہ پیشہ واسطہ ہوا دنیا پیدا کرنے کا۔ اس طریق پر قائم رہے۔ مگر نہایت ذلت وخواری کے ساتھ۔ اہل علم کی مجلسوں میں تقیہ سے گزارا کرکے۔ مولوی اسمعیل وغیرہ ارکان دین جاید نے بھی اس بحث کو کم کرکے وعظ کو منحصر کیا۔ جہاد کی ترغیب پر ——— انتہی بلفظہ سیف الجبار ۱۵۰۶

ان کی اردو ڈیڑھ صد سال پرانی ہے۔ میں نے اُسے بلفظہ لکھدیا ہے۔ اور بخوف طوالت روئداد مناظرہ کو ترک کررہا ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر مستقل کتاب چاہیئے۔ اس مجلس میں تو میں صرف بخاری صاحب کی تائید و تصدیق کر رہا ہوں۔ کہ یہ آگ فرنگی کی لگائی ہوئی ہے۔ اور کم وبیش ڈیڑھ صد سالہ پرانی ہے۔

میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ کہ شاہ عبدالعزیز رح صاحب نے شاہ اسمعیل کو نہ تو اپنا جانشین بنایا۔ اور نہ ہی ترکہ میں سے اسے کچھ دیا۔ باوجودیکہ شاہ اسحاق سے دس بارہ برس بڑے تھے۔ اور ان کے حقیقی بھائی یعنی شاہ عبدالغنی کے صاحبزادے تھے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا۔ کہ شاہ اسمعیل فرنگی کے مہرے بن کر تفریق بین المسلمین کا باعث بنے۔ لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ شاہ اسحاق بھی شاہ اسمعیل کے نظریات سے متاثر ہو کر بالواسطہ یا بلا واسطہ اس مرض کا شکار ہو گئے۔ ——— مولانا شاہ فضل رسول صاحب

جو کہ ان حضرات کے ہمعصر ہیں۔ شاہ اسحاق صاحب کے متعلق اپنی کتاب سیف الجبارؔ میں تحریر کرتے ہیں:۔ ——— جب مولوی اسحاق اس طریق کے امام بنے طریقہ اسمٰعیلیہ سے بہت تنزل کیا۔ یعنی جن باتوں کو مولوی اسمٰعیل نے مطلقاً شرک وکفر لکھا۔ مولوی اسحاق نے ان میں سے کسی کو مکروہ۔ کسی کو حرام۔ کسی کو مختلف فیہ لکھا۔ کسی میں تفصیل کے واسطے تالیف والتیام کے اور بھی اس سبب سے کہ بہ سبب جانشینی شاہ صاحب کے پہلا طریقہ صحیح اس کے خلاف تھا۔ ایک مرتبہ مخالفت کا ظاہر کرنا خلاف مصلحت ہے۔ کہ سبب ہے۔ وحشت عام خلقت کا۔ ایسی مصلحتوں سے آہستہ آہستہ تنزل کیا۔ اور قوت علم وفہم بھی چنداں نہ رکھتے تھے:۔ ——— سیف الجبار صـ۱۸۲ ۔ ۱۸۳

سیف الجبار کی گو اُردو پرانی ہے۔ مگر مقصد واضح ہے۔ کہ شاہ اسحاق نے اپنے بزرگوں کا مسلک آہستہ آہستہ ترک کیا۔ اگر وہ یک دم ترک کر دیتے تو عوام میں شورش ہوتی۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ خداوند تعالےٰ کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اور اس خالق کون ومکان کی عادت مستمرہ ہے۔ کہ جس خاندان سے اپنی نعمت چھیننا چاہتا ہے۔ اُس کے لئے ایسے سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔ ایک مدت دراز تک علم ومعرفت کا اس خاندان میں اجتماع رہا۔ اور جب چھیننا منظور ہوا تو شاہ اسمٰعیل کو پیدا کر دیا۔ اور علم ومعرفت جو اس خاندان کی اجارہ

داری بھی ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھدی ۔ اعاذنا اللہ ؎۱

میں جناب نور الحسن شاہ صاحب بخاری کا یہ نظریہ درست و صحیح ثابت کر رہا ہوں۔ کہ یہ سب افتراق و تشتت جو آج کل پاک و ہند کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے ۔ وہ سب کچھ فرنگی کی پیداوار ہے ۔ ورنہ فرنگی دور سے پہلے ہندوستان میں شیعہ کے بغیر کوئی فرقہ نہیں تھا ۔ بادشاہ و گدا ۔ علماء و عرفا ۔ سب کے سب حنفی مسلک کے پابند تھے ۔ فرنگی کے ایماء پر شاہ اسمعیل نے حنفیت سے بغاوت کی ابتداء کی ۔ شاہ اسحاق اس سے متاثر ہوئے ۔

شاہ اسمعیل کی مضرات کا تو انسداد کر دیا گیا تھا ۔ لیکن شاہ اسحاق چونکہ شاہ عبد العزیز یعنی خاندان ولی اللّٰہی کے جانشین ہوئے ۔ اور یہی سمجھا گیا ۔ کہ خاندان ولی اللّٰہی کا یہی مسلک ہے ۔ جو شاہ اسحاق کا ہے ۔ ڈپٹی نذیر احمد ۔ نواب صدیق حسن خان

؎۱ مولوی اسمٰعیل دہلوی اور انکے پیر سید احمد صاحب رائے بریلوی کی تحریک کے مقاصد و نقصانات پر محققانہ کتاب "سید احمد شہید کی صحیح تصویر" مصنفہ فاضل اجل مولانا وحید احمد مسعود بدایونی منظر عام پر آ کر اسماعیلیوں کو لاجواب کر چکی ہے ۔ اس لاجواب کتاب کے متعدد ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں ۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ہی خواہ سنیت و حنفیت اسکا مطالعہ کرے ۔ اور مخیر حضرات کو چاہیئے کہ اس کو خرید کر مفت تقسیم کریں ۔ یہ اس دور کی بہترین تصنیف ہے ۔ اس موضوع پر ہمارے فاضل بزرگ مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ مصنف کتاب مذہبی لکھ رہے ہیں کیا انکی کتاب بھی لاجواب شائع ہو چکی ۔ انشاء اللہ العزیز (محمد سعید احمد نقشبندی)

سرسید وغیرہ سب شاہ اسحاق کے شاگرد ہیں۔ اور انہی کے ذریعے یہ وبا تمام

ہندوستان میں پھیلی ہے۔ عظیم آباد پٹنہ کا صادق پوری خاندان براہ راست شاہ اسمٰعیل

کا شاگرد ہے۔ کیونکہ ان کے مورث اعلیٰ مولوی ولایت علی صاحب انہی کے ہو کر رہ

گئے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کی پیشین بندی حکم خداوندی کو نہ ٹال سکی۔ صدی سوا

صدی گزرنی ہے۔ کہ اس جدی علمی خاندان میں کوئی مرکزی شخصیت نہیں رہی۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے بغاوت اس خاندان کے خاتمے کا باعث ثابت

ہوئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مجھے حیرت ان بزرگوں کے طرز عمل پہ ہوتی ہے۔ جو دعوے تو یہ کرتے ہیں

کہ پاک وہند میں حنفیت ہمارے دم خم قدم سے قائم ودائم ہے۔ اور ہماری کاوشوں

کا نتیجہ ہے۔ کہ حنفی نظریات کا وجود محفوظ و مامون ہے

اگر ہم توجہ نہ دیں تو حنفی نظریات کو صحیح درست

اور مبنی برحق ثابت کرنے والا کوئی نہ رہے۔ اور حنفیت کا جنازہ پاک وہند سے

بے گور وکفن چل کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ العیاذ باللہ

ایک طرف تو یہ دعوے ہے۔ اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حنفیت

کے باغی اول جس نے برصغیر پاک وہند میں بغاوت کا بیج بویا۔ اور وہ ننھا سا

پودا آہستہ آہستہ تناور درخت ہو کے ملک بیرون ملک تک پھیل گیا

اور اس باغی دسرکشش بیج کا خاتمہ سے اس مقدس ہستی (امام ابوحنیفہ) اس قدر کے

اُچھالا گیا۔ کہ اگر اسے محسوب کیا جائے۔ تو اس کا حجم ہمالیہ پہاڑ سے بھی بڑھ جائے
ان حنفیت کے ٹھیکیداروں کا ایک طرف تو یہ دعوے ہے۔ اور
اس دعوے کی موجودگی میں اگر حنفیت کے باغی اقوال پر جائز معقول اور مبنی برحقائق تنقید کی جائے۔ تو نہ صرف یہ کہ اس کی صفائی اور دفاع کرتے ہیں۔ بلکہ یکدم مرنے اور مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ ناقد کو بے نقط گالیاں سناتے ہیں۔ بلکہ اس ناقد کا قتل اور خون حلال سمجھتے ہیں۔
اور اسے دکھ تکلیف پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔
ان لوگوں کی دورخی پالیسی نے عوام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ کیونکہ یہ جب عوام کے سامنے آتے ہیں۔ تو حنفیت اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی محبت پیار اور عشق کے آنسو بہاتے ہیں۔ مگر ؎

چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

اور جب اپنے حجروں میں چلے جاتے ہیں۔ تو ہر وہ تدبیر بروئے کار لانے کے منصوبے بناتے ہیں۔ جس سے حنفیت کے سچے دوستداروں کو دکھ پہنچے۔ اور وہ زیادہ سے زیادہ پریشان ہوں۔ علاوہ ازیں حنفیت کے دشمنوں سے میل جول اور گٹھ جوڑ کرتے ہیں۔
اس باغی حنفیت کی صفائی اور حمایت میں انہوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو مرزا قادیانی کی پچاس الماریوں سے کئی گنا زیادہ مواد

جمع ہو جائے۔ جو فرنگی کی حمایت وتائید میں ہے۔ ان کی تحریریں میں نہ صرف یہ کہ بغاوت حنفیت کی صفائی اور حمایت کی گئی ہے۔ بلکہ حنفیت کے دوستداروں کو مغلظات سے نوازا گیا ہے۔

ہم نہ کسی کو گالی دیتے ہیں۔ اور نہ ہی اسے روا سمجھتے ہیں۔ لیکن جائز علمی تنقید جو واقعات وحقائق کی روشنی میں کی گئی ہو۔ اسے اپنا حق تصور کرتے ہیں۔ آیئے ہم آج آپ کے سامنے ایک حقیقت واقعیہ رکھ کر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ:

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی بغاوت سے پہلے طول وعرض پاک وہند میں غیر مقلدیت ... یا حنفی نظریات پر تنقید کا کہیں وجود تھا۔ واقعات کی روشنی میں آپ مجبور ہیں۔ کہ نفی ہی میں جواب دیں۔

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پورے ہند و پاکستان میں اب کوئی شہر کوئی گاؤں۔ کوئی علاقہ کوئی تحصیل۔ کوئی ضلع ایسا نہیں جہاں کم وبیش یہ غیر مقلد موجود نہ ہوں۔ خدارا بتایئے۔ حشرات الارض کی طرح اب یہ کہاں سے نکل پڑے۔ کیا اسی درخت کے پھل پھول نہیں جسے صدی سوا صدی پہلے شاہ اسمٰعیل دہلوی نے بویا تھا۔

پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض ان میں نرم ہیں۔ اور حضرت امام عالی مقام کی زبانی تعریف بھی کرتے ہیں۔ اور ان کے زبانی مناقب بھی بیان کرتے ہیں۔ اور بعض ان

میں میانہ رو ہیں۔ جو تعریف تو نہیں کرتے ہیں۔ لیکن بدگوئی کو انہوں نے نصب العین نہیں بنا رکھا۔ اور ان میں ایک تیسرا گروہ ایسا ہے۔ جس کا اٹھنا۔ بیٹھنا۔ اوڑھنا بچھونا اس مقدس ہستی پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ پنجاب میں ثنائی اور غزنوی ذرا نرم ہیں۔ روپڑی شدید غالی اور بدگو ہیں۔ اور شدید قسم کے ناروا الزام کا تراشنا ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔

آپ حضرات اپنے پلیٹ فارم، درس گاہوں اور مجالس میں حنفیت کا دم بھرتے ہیں۔ غیر مقلدین سے مناظرے کرتے ہیں۔ احادیث کی تعلیم و تدریس میں حنفیت کی تائید و مخالفت کی احادیث کو بیان کر کے حنفی نظریات کی تائید کرتے ہیں۔ اور جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ کام بڑا کٹھن اور محنت طلب ہے۔ میں نے جب دورہ حدیث پڑھا تھا۔ تو ہمارے شیخ گو اس گروہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ جو اسماعیل دہلوی کی تائید یا صفائی کرتا ہے۔ لیکن ترمذی شریف کی تدریس و تعلیم کے وقت وہ "انور شاہ صاحب" کشمیری کے بیان کو وہ حاشیہ سامنے رکھتے تھے۔ اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔

حیرت تو اس امر پر ہے۔ کہ حنفیت کے باغی اول مولوی اسمٰعیل دہلوی سے بجائے تو کیا اس کی حمایت میں مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے معقول راستہ تو یہ ہے۔ کہ یا تو وہ بھی غنفیت کا قلادہ اتار دیں۔ اور یا حنفیت کے باغی سے اعلانیہ برأت و بیزاری کا اعلان کریں۔ خواہ مخواہ

وہ اجتماع ضدین کا مصداق بن رہے ہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کی ذریت معنوی حضرت امام ہمام عالی مقام کے متعلق بدگوئی کرتی ہے۔ اور ان پر کیچڑ اچھالتی ہے۔ اس لئے مولوی اسمٰعیل صاحب تو عذاب و ثواب میں اُن کے شریک و حصہ دار ہیں ہی۔ کیونکہ جو شخص میری سنت یا طریقہ جاری کرتا ہے تو قیامت تک جب کبھی اس پر عمل ہوگا۔ تو اس سنت و طریقہ کا بانی ہر عامل و مرتکب کے عذاب و ثواب میں حصہ دار ہوگا۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص سے بہت ملتی جلتی ہے۔ جو درخت کے تنے کی تو آبیاری کرے۔ اور اس کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے تمام ذرائع اور وسائل استعمال کرے لیکن اس کی شاخوں۔ ٹہنیوں اور پتوں کو برباد کرے۔ بھلا یہ دو رخی اور دوغلی پالیسی نہیں تو اور کیا ہے؟

پالیسی واضح ہونی چاہئے۔ کہ اگر اسے غیر مفید۔ بے سود۔ ضرر رساں خیال کرتے ہو۔ تو اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکیے۔ تاکہ شاخوں اور ٹہنیوں کا قصہ و تذکرہ ہی نہ رہے۔ اور اگر مفید۔ سودمند سمجھتے ہو۔ تو جہاں تنے کی حفاظت کرتے ہو۔ وہاں شاخوں۔ ٹہنیوں اور پتوں کی بھی حفاظت و نگہداشت کرو۔

یہ عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والی پالیسی ہے۔ کہ خنفیت کے باغی اور بغاوت کے بانی کی تو حمایت کی جاتی ہے۔ اور اس کی تائید و حمایت میں ہزاروں صفحات سیاہ کئے جاتے ہیں۔ اور اپنی علمیت کا پورا پورا زور صرف کرکے اس کی

صفائی اور دفاع کیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی حنفیت کے دستداروں اور پیروکاروں اور ماننے والوں کی مخالفت کی جاتی ہے ؎

برین عقل و دانش بباید گریست

یقین جانیئے۔ کہ ان حنفیت کے مدعیوں کی دوعملی پالیسی نہ ہوتی۔ اور وہ اپنے عمل سے ان باغیوں اور سرکشوں کی حوصلہ افزائی نہ کرتے تو ہندوستان میں حنفیت کے باغیوں کی پوزیشن اس سے مختلف ہوتی جو آج ہے۔ یہ حنفی کہلانے والوں کی دوعملی پالیسی کا اثر ہے۔ کہ باغی بڑھ چڑھ کر اس مقدس ہستی کی بدگوئی کرتے ہیں۔ اور گند اچھالتے ہیں۔ اور انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ اگر کہیں احتجاج ہوتا ہے تو یہی حنفی کہلانے والے باغیوں کے طرفدار ہو جاتے ہیں ؛

(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت

جناب بخاری صاحب کے ایک مسئلہ کی تو ہم نے تصدیق کر دی ۔ وہ یہ کہ پاک و ہند کے مسلمانوں کے اختلافات کا بڑا حصہ فرنگی دور کی پیداوار ہے ہم نے بحث کو مزید طوالت دے کر ثابت کر دیا ہے کہ واقعی فرنگی کی دسیسہ کاری اور کامیابی ہے اور اس سے کون کافر انکار کر سکتا ہے :۔۔۔۔۔۔۔

دوسرا مغالطہ :۔ جس سے جناب بخاری صاحب بہت زیادہ سیخ پا ہوئے ہیں۔ وہ ایک سوال ہے جس کا عنوان انہوں نے یہ قائم کیا ہے۔

؎ حضور نور ہیں یا بشر ؟ ص۳

؎ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر ؟ ص۲۲

؎ حضور نور ہیں یا بشر ؟ ص۹۶

اس اویبانہ چکر نے انہیں یہ سوال بار بار دہرانے پہ مجبور کیا ۔ ورنہ اصل حقیقت تو وہی ہے ۔ جس کا بخاری صاحب کو اپنے رسالہ بشریۃ النبی کے صفحہ ۱۲۸ پر اقرار کرنا پڑا ۔ کہ :۔۔۔۔۔۔

"مسئلہ بشریت دیوبندی ۔ بریلوی مکاتیب فکر میں مختلف فیہ نہیں

بلکہ دونوں مکاتیب فکر کے اہل علم حضرات اس مسئلہ پر سو فیصد متفق و متحد ہیں"
بات وہی ہے۔ جو جناب بخاری صاحب فرما گئے ہیں۔ لیکن اسے ذرا وضاحت سے بیان کر دیا جائے۔ تو حقیقت کھل کر سامنے آجائیگی۔ اور ایک ادبی اور بہری مطالعہ کے مالک کو بھی یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو جائیگی۔ کہ بخاری صاحب نے مفت میں دماغ سوزی اور عرق ریزی کی ہے۔ اور بالکل فرضی اور بناوٹی ادبی مقدمات کے بل بوتے پر ۱۲۸ صفحات کو سیاہ کر کے انہوں نے کسی مفید اور ضروری مسئلہ کو حل نہیں کیا — کیونکہ کوئی حل طلب مسئلہ ہی نہیں تھا!

سنئے اور غور فرمایئے۔ کہ فرنگی کی آمد سے پہلے پاک و ہند میں مسلمانوں کے صرف دو گروہ موجود تھے۔ شیعہ اور سنی۔ فرنگی عیاروں نے یہاں کے بہت بڑے علمی خاندان سے ایک نوجوان صاحب العلم و اللسان کو ہتھے چڑھا کر متحدہ ہندوستان کے دارالخلافہ دہلی کی جامع مسجد میں کھڑا کر کے ببانگ دہل اعلان کرایا۔ کہ حنفیت ایک فریب ہے۔ "سراب" ہے۔ "هم رجال و نحن رجال" حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہماری طرح ایک رجل عالم تھے۔ ہم ان کی تحقیق و تدقیق کے پابند نہیں ہیں جس طرح وہ قرآن و حدیث سے مسائل اخذ کر سکتے ہیں۔ ہم بھی کر سکتے ہیں — ابوحنیفہ رح کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ بلکہ انہیں احادیث کا بہت محدود ذخیرہ دستیاب ہوا۔ اس لئے ان کی نظر اسلامی مسائل میں محدود ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کئی ایسی فحش غلطیاں کی ہیں۔ کہ ان کی تقلید و پابندی تو کجا۔ ہمیں اس کی تردید و اصلاح کرنی

چاہیے" میں اس جگہ ضروری نہیں سمجھتا - کہ ان کے اس قول کے حسن و قبح پر بحث کروں - بہرحال انہوں نے اعلانیہ رفع یدین - فاتحہ خلف الامام وغیرہ شروع کر دیئے - شورش اُٹھی - مناظرے ہوئے - نتیجتہً اب سُنّی مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے —— یعنی مقلّد اور غیر مقلّد —— گویا ایک کے دو ہوئے - مقلّدین کے پھر دو گروہ ہو گئے - ایک گروہ نے کہنا شروع کر دیا - کہ مولوی اسمٰعیلؒ نے تقلید کا قلادہ تو ضرور اُتار پھینکا ہے - لیکن اس پر تنقید نہیں کرنی چاہئے - وہ بہت مخلص مسلمان تھا - ولی اللہ تھا - مجاہد تھا - وغیرہ وغیرہ -

اس کے مقابل مقلدین کے ایک دوسرے گروہ نے کہا - کہ اس نے بہت برا کیا - مسلمانوں میں تفریق ڈالی اور نئے نئے مسائل وضع کئے - یہ آگ سُلگتے سُلگتے بھڑک اُٹھی - تو مقلدین کے مستقل دو متخالف گروہ نمودار ہو گئے - گویا مسلمان اب مستقل تین گروہوں میں بٹ گئے -

۳	۲	۱
مقلد غیر ناقد	مقلد ناقد	غیر مقلد

یا یوں کہئے -

سنی حنفی (جو بعد میں بریلوی کہلائے)	دیوبندی	وہابی

دوسرے اہل ہوس نے دیکھا - کہ جو گروہ اور جس کا نظریہ متحدہ ہند کے مسلمانوں پر صدیوں سے مسلط چلا آتا تھا - (یعنی حنفی) ان کے سامنے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی - اس گروہ (سواد اعظم) پر تنقید ہونے لگ گئی ہے - تو انہوں نے بھی اعلان کر دیا کہ ایک ابو حنیفہؒ کیا - ہم سرے سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہی نہیں مانتے۔ ائمہ حدیث اور آئمہ فقہ کا تو تذکرہ ہی کیا ہے۔ جب یہ عالت ایک تیسرے بوالہوس نے دیکھی تو اس نے ایک قدم آگے بڑھایا کہ میں خود نبی ہوں۔ پیغمبر ہوں۔ رسول ہوں۔ اب پانچ گروہ ہو گئے

غیر مقلد۔ مقلد ناقد۔ مقلد غیر ناقد۔ منکرین حدیث وفقہ۔ نیا نبی اور اسکے پیرکار شیعہ تو پہلے ہی موجود تھے۔ انہیں بھی شمار کر لو تو پھر ہندوستان میں مستقل چھ گروہ پائے جاتے ہیں۔ چونکہ کسی پر کوئی پابندی نہیں۔ اس لیئے ان سکہ بند گروہوں میں سے ہر ایک گروہ کے بعض افراد بعض نظریات میں آپس میں متفق نہیں ہیں اگر ان کے اختلافات کو محسوب کیا جائے۔ تو ہر ایک گروہ کے تین تین۔ چار چار۔ گروہ بن جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایک مولوی اسمٰعیل صاحب کی بغاوت کے نتیجہ میں اب پاک و ہند میں بیسیوں گروہ پائے جاتے ہیں۔ ان سب گروہوں میں سے صرف ایک گروہ ایسا ہے۔ جو حضرت ابوحنیفہ رح کے غیر مقلدین پر تنقید کرتا ہے۔ ائمہ حدیث یا حدیث کے منکرین پر حرف گیری کرتا ہے۔ خصوصاً نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق نانہجار ناسزا الفاظ سے تڑپ جاتا ہے۔ آپ کی شان ارفع قائم رکھنے کے لیئے "مسئلہ بشریت" پر بھی بحث کرتا ہے اور لفظ بشر حضور کے لیئے خصوصی القاب کے بغیر ناجائز و اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تصور کرتا ہے۔ لیکن حاشا وکلا وہ آپ کی بشریت کا منکر نہیں۔

اس ایک گروہ کے سوا پاک و ہند میں جتنے بھی گروہ پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب ملتِ واحدہ ہو کر بشریت کے متعلق بحث بھی نہیں کرتے یعنی سوائے ایک گروہ جسے بریلوی کہا جاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس گروہ کو بریلویت میں محدود کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد ایسے ہیں۔ جو سلاسل صوفیہ میں سے دیگر سلاسل میں منسلک ہیں۔

وہ بریلوی نہیں ہیں۔ کیونکہ سلسلہ قادریہ بریلویہ کی ابتداء اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتی ہے۔ اور جن لوگوں کو اُن سے تعلق تلمذ یا رشتہ ارادت (مریدی) ہے۔ وہ بریلوی کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں — مگر جملہ سلاسل فقر سے تعلق رکھنے والے فاضل بریلوی کی خدمات جمیلہ کو بہ نظر تحسین دیکھتے ہیں۔ اور ان کو اپنے وقت کا امام اہل سنت سمجھتے ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ باوجود بیسیوں فرق ہو جانے کے ابھی تک اکثریت انہی لوگوں کی ہے۔ جو خالص اہل سنت حنفی العقیدہ ہیں۔ خواہ وہ بریلوی کہلائیں۔ یا چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی قادری وغیرہ۔

مختصر یہ کہ ہمارا گروہ بقول بخاری صاحب سولہ آنہ بشریت کا تو قائل ہے۔ لیکن بات کو اتنے پہ ختم نہیں کر دیتا۔ ابھی کچھ گوشے ایسے بھی ہیں۔ جنہیں وا کرنے کی ضرورت ہے۔

بشریت مطلقہ و بشریۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بشریت کے جو معنے ہم سمجھے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ گوشت پوست کا مخصوص وضع قطع کا ڈھانچہ جس کے اندر روح حیات موجود ہو۔ ایسی روح جو ناطقہ ہو۔ اور اس نطق کے ذریعے اپنے ہم جنسوں یا محدود و مخصوص افراد کو جو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں۔ اپنا مافی الضمیر سمجھا سکے۔ اور اسے یہ شعور ہو کہ وہ اپنی زندگی اور بقا کے لئے خوراک مہیا کرنے کی اہلیت و قابلیت رکھتا ہو۔ بدن کو گرمی سردی سے بچانے کے لئے مناسب سامان تیار کر سکے۔ دوست۔ دشمن کی پہچان کرنے کی اہلیت اس میں موجود ہو۔ دشمن سے بچنے اور دوست کی امداد و اعانت کا مادہ اس میں پایا جائے۔ منطقی لوگ اسے حیوان ناطق کہتے ہیں۔ یہ بشریت کی تعریف میں شامل ہے۔ افریقہ اور آسٹریلیا کے جنگلیوں کو جو شکار کے ذریعے پیٹ بھرتے ہیں۔ اور درختوں کے پتوں یا چھال سے بدن ڈھانپ کر گرمی اور سردی سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تہذیب و عدم تہذیب کو وہ جانتے ہی نہیں۔ ان کی مادہ سے کوئی دوسرا جفت ہو جائے تو اسے رُاہنھیں مناتے وغیرہ وغیرہ اور اسی طرح یہ تعریف شامل ہے۔ ان لوگوں کو جو سانپوں کی پرستش کرتے ہیں سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ گائے کو ماتا سمجھ کر اس کے بچاؤ کی خاطر انسانی جان کے لیوا ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ تعریف ان لوگوں کو بھی شامل ہے۔ جنہوں نے خالق و مخلوق کے تعلقات و حقوق کی طرف کبھی دھیان بھی نہیں دیا اور اسی طرح اس کی وسعت میں وہ بشر بھی آ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے پاخانے صاف کر کے

پیٹ پوجا کا سامان مہیا کرتا ہے۔

ایسا وسیع المعنی لفظ بغیر کسی خصوصی امتیاز و توصیف کے علی الاطلاق حضور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ارفع کے لئے استعمال کرنا قطع نظر کسی ارادہ اور نیت کے اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے نہ صرف منع ہے۔ بلکہ کفر ہے۔ اور اس اعلیٰ و ارفع ذات کی توہین ہے۔

یا یوں کہیے۔ کہ کون البشر و اطلاق البشر میں بہت بڑا فاصلہ ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کون البشر تو عقیدہ ہے۔ اور اطلاق البشر ناروا ہے۔ کفر ہے۔ جب تک اس کے ساتھ ایسا مابہ الامتیاز اتصاف نہ کیا جائے۔ جو تاج لولاک کے مالک کو دوسروں سے ممیز و منفرد اور الگ نہ کرے۔

ہم اپنے روزمرہ کے محاورات میں دیکھتے ہیں۔ کہ باپ یا ماموں۔ یا تایا۔ یا اُستاد کا نام نہایت عمدہ اور ارفع معانی کو متضمن ہے۔ لیکن ہم تخاطب میں وہ نام لینے سے ہچکچاتے ہیں۔ مثلاً میرے والد صاحب کا نام نور محمد ہے کتنا عمدہ خوبصورت اعلیٰ وارفع معانی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ لیکن۔ باوجود اس کے ہم ان کو اباجی سے تعبیر یا مخاطب کرینگے۔ یوں نہ کہینگے۔ کہ نور محمد کی یہ بات ہے۔ بلکہ کہینگے میرے اباجی کی یہ بات ہے۔ بتائیے نور محمد کہنے میں کیا مانع ہے۔ یقیناً صرف اباجی کا احترام مانع ہے۔ ورنہ معنوی لحاظ سے

اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

ایک مومن کا ضمیر کب گوارا کر سکتا ہے۔ کہ وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لفظ سے تعبیر کرے۔ جو چوہڑے چمار بھنگی کافر مسلم یہود و نصاریٰ کو شامل ہو۔ لہذا ایک صالح ذہن ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ کہ ایسا عمومی اور عامی لفظ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے جائز رکھے۔ العیاذ باللہ

قرآن مجید کو کھول کر پورے تیس ۳۰ پارے پڑھ جایئے۔ قرآن پاک نے بار بار حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا ہے۔ مگر کیا مجال کہ کسی ایک مقام پر "یا بشر" سے مخاطب کیا ہو۔ البتہ اظہار حقیقت کے لیئے تو فرما دیا کہ

قُل اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثلُکُم یُوحٰی اِلَیَّ

لیکن جہاں کہیں خطاب کرنے کا موقعہ آیا تو فرمایا۔ یا ایّھا الرَّسُولُ بلغ ما انزل الیک

یا ایّھا المزمل۔

یا ایّھا المدثر

نہایت محبت اور احترام بھرے انداز سے مخاطب فرمایا۔ ہم چیلنج کرتے ہیں۔ کہ کسی ایک مقام پر دکھا دیجئے۔ "یا ایّھا البشر"۔ مگر نہیں دکھا سکتے۔

قرآن مجید کو تو یہ بھی گوارا نہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسے الفاظ سے خطاب کیا جائے۔ جس کے متعدد معنوں میں سے ایک معنی ایسا بھی ہو۔ جس

میں خفت کا ایہام ہو سکے۔

لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا

اس ساری بحث کے بعد ہم اخیر میں یہی کہینگے کہ ہمارا سولہ آنے عقیدہ ہے۔ کہ اطلاق البشر بغیر اتصاف وصفِ خاصّہ کفر ہے، گمراہی ہے۔ محبوب خدا کی توہین ہے اعاذنا اللہ

اصل بات یہ ہے کہ احترام و محبت۔ اہانت و خفت کو واقعیت سے کوئی اختصاص نہیں۔ ایک موقعہ پر بیان تو حقیقت نفس الامریہ ہوتی ہے لیکن انداز و لب ولہجہ۔ عمومیت و اشتراک اسے باعث اہانت و خفت بنا دیتا ہے۔ اور اسی طرح ایک مقام پر حقیقت نفس الامریہ کی زیادہ ترجمانی نہیں ہوتی لیکن اس میں محبت و احترام کے جذبات پائے جاتے ہیں۔

مثلاً کسی کے باپ یا مرشد کا نام ہے۔ عبداللہ۔ اور وہ اسے مخاطب کرکے یوں کہتا ہے۔ او عبداللہ تمہاری یہ بات ہے۔ اور اس کے دل کی گہرائی میں اہانت و خفت کا بھی کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف حقیقت نفس الامریہ کو سامنے رکھ کر ایسا خطاب کرتا ہے۔ تو ہمارے عرف عام میں اسے اہانت تصور کیا جائیگا۔ باوجودیکہ اس کے قلبی گوشہ میں اہانت کا کوئی شائبہ تک نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا قلب و دماغ ادب و احترام سے سرشار ہوتا ہے۔ لیکن اس کے قلبی ادب و احترام کی کوئی قیمت نہیں سمجھی جائیگی۔ اور اس کے الفاظ کے پیش نظر اسے بے ادب ہی گردانا

جائیگا۔ باوجودیکہ قلب میں ادب و احترام ہے۔ الفاظ میں حقیقت نفس الامر یہ واقعیہ کی صحیح و درست ترجمانی ہے۔ کیونکہ مخاطب کا نام ہی عبداللہ ہے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خلاف گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف نفرت پھیلانے کا مقدمہ تھا۔ ڈاکٹر خانصاحب سابق وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان جو اس وقت صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ گواہ صفائی تھے " مسٹر فالشہ" سیشن جج لاہور کی عدالت میں پیشی تھی۔ کاروائی سننے کے لیئے عوام کا ایک جم غفیر احاطہ عدالت میں اُمڈ آیا ہوا تھا۔ وکیل استغاثہ نے ڈاکٹر صاحب پر جرح کرتے ہوئے سوال کیا۔ کہ ڈاکٹر صاحب ہم آپ سے صرف ایک سوال کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ:۔۔۔

اگر مجمع عام میں یہ بیان کیا جائے۔ کہ ایک انگریز نے دہلی کے آخری تاجدار "بہادر شاہ" کے نوجوان بچوں کا تلوار سے سر قلم کر کے ان کا خون طشت میں لے کر باپ کے سامنے پی لیا۔ تو کیا مسلمانوں کے دلوں میں انگریز کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات اُبھرینگے یا نہیں؟

واقعہ سے مجھے کوئی تعلق نہیں کہ سچا ہے۔ یا جھوٹا۔ سوال کٹھن تھا۔ مجمع کا سینہ دھڑک رہا تھا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کیا جواب دیتے ہیں۔ تھوڑے تامل کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا: "ہم تو خدائی خدمتگار ہیں۔ ہمارے ہاں کسی کے خلاف نفرت و حقارت کا وجود ہی نہیں۔"

میرا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات واقعات و حقائق کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ

قابل توجہ و مطمح نظر اس کے اثرات و نتائج ہوتے ہیں۔ اگر اثرات نتائج میں کوئی خرابی نہیں تو واقعیت و عدم واقعیت کی وہاں کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

اگر اثرات و نتائج میں خرابی ہے۔ اہانت ہے۔ خفت ہے۔ تو حقیقت و واقعیت اس کی خرابی کو دور نہیں کر سکتی۔ اور باوجود واقعیت کی مطابقت کے اسے قابل نفرت ہی سمجھا جاتا ہے۔

ایک مثال و نظیر قرآنی سے میں آپ کو یہ مسئلہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ کہ ادب و احترام۔ اہانت و خفت کا معاملہ ہی الگ ہے۔ اسے نہ تو حقیقت و واقعیہ سے کوئی لگاؤ ہے۔ اور نہ ہی دل و دماغ سے اسے کوئی رابطہ۔ ادب و احترام ادب و تعظیم سے بھرپور و مخمور۔ دو دماغ آپس میں ایک معاملہ پر گفتگو کرتے ہیں۔ اور یہ معاملہ خالصۃً مفاد اسلامی، قوت و مضبوطی دین اور مشن و مقصد سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ پاک مشن جسے لے کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن انداز تکلم۔ گفتگو کا لب و لہجہ مزاج نبوت و حامل نبوت پر گراں گذرتا ہے۔ خداوند عالم حامل نبوت کے تاثر کی بنا پر شدید سے شدید ترین الفاظ میں انہیں زجر و توبیخ فرماتے ہیں۔

کہ ہمارے نزدیک نہ تو آپ کے قلبی محبت و احترام یا ادب و تعظیم کی کوئی پوزیشن اور اہمیت ہے۔ اور نہ ہی آپ کی خدمت و جد و جہد کا کچھ پاس جو آپ اسلام کی ترقی اور مضبوطی کے لئے کر رہے ہیں جب تک میرا محبوب محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم بہمہ وجوہ آپ سے راضی اور مطمئن نہ ہو۔ اس بات میں ذرا بھر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ آپ کے قلب و دماغ حامل وحی۔ بانی اسلام کی محبت و احترام سے سرشار و مخمور ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے۔ کہ آپ نے اپنا مال و متاع۔ اہل و عیال۔ جسم و جان کو میرے محبوب کے قدموں میں نثار کر رکھا ہے۔ اور آپ کے دل و دماغ میں میرے محبوب کی رضا جوئی سے کسی بھی چیز کو اقدمیت نہیں۔ اور یہ بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔ کہ میرا محبوب جس مشن و مقصد کو لے کر آیا ہے۔ آپ دن رات اس کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں۔ اور باوجودیکہ آپ کے خلوص نیت میں کسی کمزوری کا کوئی شائبہ تک بھی نہیں۔ لیکن مرے نزدیک ان تمام امور کی اہمیت و قیمت اس وقت متصور ہو سکتی ہے۔ کہ میرے محبوب کیلئے آپ کی کوئی بات گراں باری کا باعث نہ ہو۔ اس بارے میں ہم نہ تو تمہاری نیت کو اہمیت دیتے ہیں۔ اور نہ ہی تمہارے اعمال کو۔ اور نہ ہی تمہارے ایثار و قربانی کی کوئی قیمت و اہمیت ہے۔ جب تک میرے محبوب کے قلب اطہر پر تمہاری کوئی حرکت۔ کوئی فعل۔ کوئی نطق کوئی آواز گراں باری اور بوجھ کا باعث ہو۔

تمہاری موجودہ گفتگو جو نہایت خلوص دل سے ترقی اسلام۔ تکمیل مشن رسول اور خوشنودی حبیب وحی کے لئے ہو رہی ہے۔ لیکن انداز گفتگو۔ طریق بحث میرے محبوب کے قلب اطہر پر گراں ہو رہا ہے۔ کیونکہ میرے محبوب کا مسلک ۔ کوارہ نہ

زنان خانہ تمہارے کانفرنس ہال۔ مجلس گاہ، مقام مشورت سے قریب واقع ہے اور تمہارا ترفع صوت بلندی آواز، انداز گفتگو انہیں گراں گزر رہا ہے۔

اس لئے ہم بغیر کسی لگی لپٹی کے واضح اور بالکل غیر مبہم اعلان کرتے ہیں کہ تمہارے کسی بھی عمل، کسی بھی قربانی۔ کو ایک منٹ، ایک ساعت۔ بغیر اس کے کہ تمہاری نیت قلبی کا محاسبہ و موازنہ کیا جائے۔ ضائع اور برباد۔ لایعنی لاحاصل کر دینگے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ منافی عادت جو بظاہر بالکل حقیر اور بے ضرر معلوم ہوتا ہے۔ وہ ترفع صوت۔ بلندئ آواز جو میرے محبوب کی جائے رہائش کے قریب کی جائے۔ وہ نہ صرف یہ کہ ناپسند ہے۔ بلکہ اس کا فوری ایکشن لیا جائیگا۔ اور تمہارے تمام اعمال و افعال جو تم نے حمایت و ترقی اسلام کے لئے کئے ہیں۔ وہ قربانی اور ایثار جو تم میرے محبوب کے مشن کو کامیاب و معراج ترقی تک پہنچانے کے لئے کر رہے ہو۔ بظاہر ایک ادنیٰ اور معمولی بے احتیاطی کے باعث ان سب کو ضائع کر دیا جائیگا۔ شاید ہمیشہ غضب بندگی میں بدل دیا جائیگا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

یاایھا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ سورہ حجرات پارہ ۲۶

غلط فہمی عام کا، کھلا اور واضح اعلان ہے۔ کہ تمہارے صالح اعمال۔ تمہاری حسن نیات۔ تمہاری قربانی اور ایثار۔ تمہاری دینی و اسلامی جدوجہد۔ تمہارا جہاد فی سبیل اللہ۔ تمہاری شجاعت۔ تمہاری مروت۔ تمہاری زندگی۔ تمہارا خلوص۔ تمہاری نورانیت

اس وقت بار آور اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ جب کہ تم اپنے اٹھنے۔ بیٹھنے۔ بولنے وغیرہ تمام امور میں انتہائی محتاط رہو۔ اپنی ہر حرکت و سکون پر اس نقطہ نگاہ سے کنٹرول اور پورا مکمل کنٹرول کرو۔ کہ کونسی ادا محبوب خدا کو پسند ہے۔ اور کونسی ادا بار دل ہو سکتی ہے کہ تمہاری معمولی سی بے احتیاطی جس میں تمہاری نیت و ارادہ کا قطعاً کوئی دخل نہ ہو۔ کہ وہ تمہارے بڑے سے بڑے اعمال۔ بڑی سے بڑی قربانی۔ اور بڑے سے بڑے ایثار کی تضیع اور اکارت کا باعث بن جائے۔ اور تمہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔ یہ تمہارے جو اعمال صالحہ ضبط و تلف کر دیئے جائیں۔ اپنے حسن نیت۔ اور واقعیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والو۔ سنا خداوند عالم کا اعلان۔ سنا خدائے قدوس کا اٹل فرمان؟ ——————

ذرا ایک لمحہ کے لئے اپنے اعمال۔ اپنے افعال۔ اپنے کردار کا اس فرمان خداوندی کی روشنی میں جائزہ لو۔ اور موازنہ کرو۔ کہ جہاں اپنے محبوب کے سامنے آواز بھی نہ چھڑ ے یہ کو ناپسند ہے۔ بلکہ حبط و ضبط اعمال کا باعث بن سکتی ہے۔ اور اندازہ کرو کہ جہاں ترفع صوت کی اجازت نہیں وہاں محبوب کے علم کو صبی و مجنون کے علم سے تشبیہ کیسے برداشت ہو سکتی ہے وجہاں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ذرا سی لغزش کا محاسبہ ہو سکتا ہے۔ وہاں ہم اور آپ کس کھیت کی مولی ہیں؟

لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو مجنونوں بچوں اور حیوانوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اور بار بار کی یاد دہانی اور تنبیہ کے

کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور خدا کے غضب کو بھڑکانے والی ایسی نامعقول تحریریں چھپتی ہیں۔ بار بار چھپتی ہیں۔ اور وہ حسن نیت اور اپنے اعمال صالحہ کا اپنے چیلوں میں ایسے پھنسے ہیں کہ قدم کی واپسی کا تصور بھی نہیں۔ ایک پوری جماعت ان کی خیر خواہی کرتی ہے۔ انہیں اس ہمالیہ پہاڑ سے زیادہ بوجھل اعتقادی غلطی سے متنبہ کرتی ہے۔ اور اس بحث و تکرار میں پورے چالیس برس بیت جاتے ہیں۔ رجوع اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ خدارا سوچو۔ غور کرو۔ مرنے والے تو مر گئے خدا معلوم ان کے ساتھ کیا بیت رہی ہو گی۔ تم لوگ جو ابھی زندہ ہو۔ تمہارے لئے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اور خدا معلوم کس وقت بند ہو جائے۔ ان لمحات کو غنیمت سمجھو۔ اور اس بے لذت بے سود گناہ سے تائب ہو کر اپنی اور آنے والی ذریت کی عاقبت کو درست کرنے کی سعی کرلو۔ تمہارا عقاب اگلوں کی گردن پر ہے جو تمہیں ایسا راستہ دکھا کر چلتے بنے۔ جو تباہی کا راستہ ہے۔ بربادی کا رستہ ہے۔ نہ خود تائب ہوئے اور نہ ہی تمہیں تلقین کی کہ تباہی کے راستہ پر چلنے سے رک سکیں نا کام ہوئے ہو۔ اور وہ تمہاری دیکھا دیکھی اسی غلط راستہ پر چلتے رہیں گے۔

خدارا غور کرو۔ اس نص قطعی کی موجودگی میں بھلا کسی مسلمان کی زبان پر یہ لفظ آسکتا ہے۔ کہ شیطان کے وسعت علم کے لئے تو نص موجود ہے بھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کے لئے کونسی نص قطعی ہے "واقعیت و حقیقت نفس الامری الگ ہے۔ اور ارادۂ تکلم الگ۔ شیطانی علم کا محبوب خدا کے علم سے

تقابلہ و مجادلہ کہاں تک درست بلکہ جائز ثابت کیا جا سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

ان واقعات و تشریحات کے بعد آخر میں پھر وہی اعلان کرتا ہوں۔ کہ بشریت کا ہمیں سو لا آنے اعتراف ہے اقرار ہے۔ ہم تمہاری طرح ہٹ دھرم نہیں کہ نص قرآنی کے مقابلہ میں محض مصنوعی ڈھکوسلوں کا سہارا لے کر ایسا رویہ اختیار کریں جس سے نص قطعی کا مفہوم تعرضانہ ہوتا ہو۔ ہم نے نص قطعی اور دلائل عقلی سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ جس لفظ یا فقرے یا عبارت سے محبوب خدا کی اہانت و خفت کا پہلو مترشح ہوتا ہو۔ وہاں واقعیت نفس الامری یا حسن نیت کا سہارا ہرگز نہیں لینا چاہیے۔ اور اپنے عارضی۔ زعم و پندار کو حقیقت کے آڑے نہیں آنے دینا چاہیے۔ اور غلطی کا واضح اقرار کرنا چاہیے۔ کہ یہ غلطی تھی۔ میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ خدا میرے رجوع کو قبول فرمائے۔

میرا اندازہ ہے کہ اب آپ نے بشریت کے متعلق ہمارا نظریہ و عقیدہ معلوم کر لیا ہو گا۔ اور آپ کو خوش ہونا چاہیے۔ کہ نفس مسئلہ میں ہم آپ کے خلاف یا متضاد نہیں ہیں۔ صرف تعبیر و اطلاق میں فرق ہے۔ اگر آپ ہمارے معقول و مبنی بر حقائق دلائل کی روشنی میں ہمارے ساتھ اتفاق کریں۔ تو ہمیں یقیناً خوشی ہو گی۔ مسرت ہو گی۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ ابھی آپ کا وہ خلجان دور نہیں ہوا۔ جس نے آپ کو پریشان حال کر رکھا ہے۔ اور وہ ہے آپ کے سادہ سوال۔

"حضور بشر ہیں یا نور۔ یا یوں کہ حضور نور ہیں یا بشر"

اس سوال میں نور اور بشر کے درمیان بیر لایا گیا ہے۔ اس سوال
سے جناب بخاری صاحب بہت زیادہ پریشان ہیں۔ اور اس کے متعلق انہوں نے
بہت ورق سیاہ کئے ہیں۔ میرے خیال میں ان کی پریشانی کا باعث ان کی
توجہ ہے۔ اس سوال کے دو اجزا میں سے ایک جزو پر تو بہت کچھ زور قلم صرف
فرمایا ہے۔ اور دوسرے جزو کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ اور اس طرف توجہ کی
زحمت ہی گوارا نہیں فرمائی ممکن ہے۔ اس سوال کا منشا دوسرا جزو ہو۔ یعنی نور میں
اختلاف ہو۔ ایک گروہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے نور ماننے سے
انکار ہی کرتا ہے۔ جتنی توجہ انہوں نے بشر پر مرکوز فرمائی ہے۔ اس سے نصف توجہ
دوسری جزو یعنی نور پر مرکوز فرماتے تو مسئلہ ہی حل ہو جاتا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے۔
کہ ایک گروہ جو ان کا ہی پروان چڑھایا ہوا ہے۔ سرور عالم کی نورانیت کا انکار کرتا
ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود بخاری صاحب بھی اسی گروہ سے رابطہ رکھتے
ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جن معنوں میں یہ لفظ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال
کیا ہے۔ اور جس عبارت سے انہوں نے اس مفہوم کا اظہار کیا ہے۔ وہ غمازی
کرتی ہے۔ کہ جناب بخاری صاحب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت سے
حقیقی معنوں میں انکار کر رہے ہیں۔ اور اپنی بلند پایہ ادبیت میں اسے مستور رکھنا
چاہتے ہیں۔ اگر وہ صحیح معنوں میں قائل ہوتے تو اس کے لئے اتنی ادبیت کی
ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ قرآن مجید کی آیات کو پیش کر کے ثابت کرتے۔ قرآن مجید میں

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور سے تعبیر کیا ہے۔ اب جناب بخاری کی پوری عبارت نقل کر کے تجزیہ کریں کہ واقعی بخاری صاحب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نور مانتے بھی ہیں؟

ملاحظہ ہو جناب بخاری صاحب کی اصل عبارت

نبی کریم نور بھی ہیں اور بشر بھی

خلقت کے اعتبار سے آپ بشر ہیں۔ سید البشر۔ خیر البشر۔ فخر بنی آدم۔ الخ

اور صفت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ مصدر فیض نور یا مطلع نور۔ الخ

بشریۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم صک صلی اللہ علیہ وسلم

کتنی فریب دہ عبارت ہے۔ حقیقت پر کتنا گاڑھا غلاف چڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور کس قدر فریب اور دھوکہ دینے کی سعی کی گئی ہے۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

علماء کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنا مافی الضمیر کھل کر بیان نہ کریں۔ اور اندرونی مرض کو ستھری تعلّیوں سے مستور و محجوب کرنے کی کوشش کریں۔ دنیاوی معاملات میں سیاست کے معنے ہی یہی ہیں کہ اپنے دل کا راز حریف سے چھپایا جائے۔ لیکن مذہبی مسئلہ کو چھپانا اور ایسے الفاظ استعمال کرنا۔ کہ حقیقی مفہوم کھل کر سامنے نہ آئے۔ کتنا معیوب اور قابل نفرت فعل ہے۔ یہ کتنی بڑی کمزوری ہے کہ علماء اپنے مذہبی عقائد و

نظریات کو الفاظ کے پردے اور غلاف میں مستور و محجوب کر کے عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کریں۔

یا للعجب! "خلقت کے اعتبار سے بشر ہیں۔ سید البشر خیر البشر، فخر بنی آدم۔ اور صفت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ مصدر، منبع نور، مطلع نور"

پہلے تو ہم دریافت کرتے ہیں۔ کہ خلقت اور صفت میں کیا نسبت ہے۔ اور اس تقابل و تفریق کا مطلب ہی کیا ہے۔ اور اس تقابل و تفریق میں کونسا مفاد ہے۔ کیا آپ کے نزدیک صفت غیر مخلوق ہے۔ اور خلقت مخلوق۔ حاشا وکلا۔ اس اعتبار سے ان دونوں میں قطعاً کوئی تفریق نہیں۔ خلقت بھی مخلوق۔ صفت بھی مخلوق!———

دوسری دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ مصدر۔ منبع و مطلع۔ ذات ہوتی ہے۔ نہ صفت وصفت عارض ہوتی ہے۔ ذات کو۔ جوہر کو۔ مصدر و منبع ذات ہوتی ہے۔ نہ کہ وصف۔ سمجھ نہیں آتا۔ کہ ان خوشنما الفاظ میں مصنف بتانا کیا چاہتا ہے۔ کہ حضور اپنی ذات کے اعتبار سے مصدر و منبع تو نہیں البتہ وصف کے اعتبار سے مصدر و منبع ہیں۔ ان خوشنما الفاظ میں کتنی بڑی بیہودگی پوشیدہ ہے۔

ہم اہل سنت والجماعت کا مسلم و متفقہ عقیدہ یہ ہے:———کہ ذات اقدس جل جلالہٗ احد و وحدت سے خزانہ مخفی ایک اکیلا تھا۔ نہ زمین تھی نہ

آسمان تھے نہ دریا تھے نہ سمندر ۔ نہ پہاڑ تھے نہ جنگل ۔ نہ انسان تھے نہ حیوان ۔ ارادہ ازلی جنبش میں آیا ۔ اور اسے اپنی ربوبیت کے اظہار کی خواہش ہوئی ۔ تو اس نے سب مخلوقات سے پہلے ذات والا سرورِ عالم کو مخلوق فرمایا ۔ اور اس کا عنوان نام نورِ محمدؐ تجویز فرمایا ۔ یہ نور ہزار ہا برس تک بسیطِ لامکان پر چمکتا رہا ۔ اسے جب بقیہ مخلوق کی پیدائش کا ارادہ ہوا ۔ اسی نورِ محمدی سے بقایا مخلوقات کو وجود بخشا ۔ گویا تمام مخلوقات تمام انبیاء سمیت نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیلی ہیں ۔ اور ان سب کا منبع و مطلع محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ باعتبار ذات کے نہ باعتبار وصف کے ۔

ممکن ہے میرے اس عقیدہ کو مسلّم نہ سمجھا جائے ۔ لہٰذا جہاں سے انکار کا لادا پھوٹنے کی توقع ہے اسی سوراخ کو بند کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

اور بہتر ہے ۔ کہ اس شخصیت کا حوالہ دیا جائے ۔ جسے یہ گروہ حکیم الامۃ مجدّدِ ماۃ حاضرہ قرار دے چکا ہے ۔ وہ ہیں جناب اشرف علی صاحب تھانوی ایک دفعہ ان سے کسی مرید نے دریافت کیا ۔ کہ حضور ہمارا خیال ہے ۔ کہ آپ اس صدی کے مجدد ہیں ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ کہ خیال تو مجھے بھی ایسا ہوتا ہے ۔ لیکن قطعیت سے کچھ نہیں کہہ سکتا ۔

بہرحال تھانوی صاحب ان کے مسلّم صاحبِ اطاعت بزرگ ہیں نہ بلاوہ کا دش

کے بجائے انہی کا حوالہ پیش کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس لیئے کہ مصنف رسالہ بشریت، بھی ان کو حکیم الامت مانتا ہے۔ اور مجال انکار نہیں رکھتا۔ اس وقت تھانوی صاحب کے مواعظ کا مجموعہ موسومہ،، مواعظ اشرفیہ،، میرے سامنے ہے۔ جس کا دوسرا نام ،، میلاد النبی،، بھی ہے۔ اور جسے مکتبہ ،، اشرف المطابع چوک ملتان شہر،، نے شائع کیا ہے۔ اس مجموعہ میں تھانوی صاحب کے بہت سے وعظ ہیں۔ اور ہر وعظ کا الگ الگ نام ہے۔ اور ہر وعظ کی ابتدا میں بتلایا گیا ہے۔ کہ یہ وعظ کہاں ہوا۔ کتنا وقت صرف ہوا۔ حاضری کتنی تھی۔ اور اسے کس نے قلمبند کیا۔

جس وعظ سے میں اقتباس نقل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا نام،، الرفع والوضع،، ہے۔ اور یہ وعظ نماز جمعہ کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مورخہ ۹ رجب ۱۳۴۲ھ کو ہوا۔ اور اسے آپ کے بھتیجے،، ظفر احمد،، صاحب نے قلمبند کیا حاضری ایک ہزار تھی۔ دوران وعظ مضامین کے لحاظ سے الگ الگ عنوان.......... مقرر کئے گئے ہیں۔ جو اقتباس میں نقل کرنا چاہتا ہوں اس کا عنوان اور ہیڈنگ ہے۔،، اولیت و علمیت،، تھانوی صاحب فرماتے ہیں۔ جب ان دلیلوں سے یہ مقدمہ ثابت ہو گیا۔ کہ جمیع کمالات انبیاء علیہم السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پہنچے ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے۔ کہ مصنف عبدالرزاق (نام کتاب) میں ایک حدیث ہے:-

یا جابر ان اللّٰہ تعالٰی خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔

الحدیث الطویل۔

اے جابر! حق تعالٰی نے سب سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر جب اللہ تعالٰی نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو اس نور کے چار حصے کئے۔ اور ایک حصہ سے قلم پیدا کیا۔ اور دوسرے سے لوح۔ اور تیسرے سے عرش۔ آگے طویل حدیث ہے۔

اب یہ حدیث ان الفاظ سے مشہور ہو گئی۔ اوّل ما خلق اللّٰہ نوری۔ مضمون تو صحیح ہے۔ مگر حدیث کے الفاظ یہ نہیں ہیں۔ سو اول تو اس حدیث جابرؓ میں تنصیص ہے۔ کہ بقیہ سب مخلوقات کی تکوین میں جن میں حضرات انبیاء اور ان کے کمالات بھی آ گئے۔ آپ کو دخل ہے۔ اور یہی حاصل ہے۔ استفادہ کا آپ سے "

دوسرے یہاں بھی جس طرح مولانا رومیؒ نے خاتمیت کی دو قسمیں کی ہیں۔ اوّلیت انبیاء کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اوّلیت زمانیہ۔ کہ حضور زماناً سب سے مقدم ہیں۔ ایک اولیت ذاتیہ۔ کہ آپ ذاتاً سب سے مقدم ہیں۔ کہ تمام مخلوق اپنے وجود اور کمالات میں حضور کی محتاج ہے۔ جن میں انبیاء بھی داخل ہیں۔

مگر اولیت ذاتیہ کے وہ معنے مراد نہیں۔ جو فلاسفہ کی اصطلاح ہے۔ جس میں

مقدم کی ذات مستلزم ہے۔ متاخر کے وجود کو (مراد یہ کہ اضطرار نہیں۔ مولف) بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ میں اولیت زمانیہ کے ساتھ اولیت علیت بھی ہے۔ (مراد یہ کہ آپ علت۔ سبب اور باعث ہیں۔ دوسری تمام مخلوقات کے لئے۔ مولف) کہ آپ دوسری مخلوقات کے لئے علت ثبوت کمالات ہیں۔ مگر نہ علت بمعنی موثر بالاضطرار۔ بلکہ علت بمعنی توسط کے ہیں " ———

تھانوی صاحب درمیان میں کچھ فلسفہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد کہتے ہیں : ———

غرض اس حدیث سے آپ کے دو کمالات ظاہر ہو گئے۔ ایک اولیت زمانیہ۔ دوسرے اولیت بالعلیہ۔ آپ کا زماناً سب سے اول ہونا تو اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ میں استفادہ فیض وجود و کمالات وجود کی قابلیت تمام مخلوقات سے زیادہ ہے۔ اور اس کا بھی یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ قابلیت آپ کے اندر از خود بلا جعل حق تھی۔ بلکہ وہ قابلیت بھی آپ کے اندر مشیئت الٰہی و عطاء خداوندی سے آئی ہے۔ قابلیت بھی آپ کے اندر بالاضطرار ثابت نہیں۔ بلکہ بالقصد الاختیار ثابت ہوئی ہے۔

میلاد النبی از اشرف علی صاحب تھانوی ص ۲۲۹-۲۳۰

اسی کتاب ص ۲۲۳ کے حاشیے پہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا کچھ حصہ جو کہ بہت لمبی ہے مزید نقل کرتے ہیں ۔ وھو ھذا ۔

ویؤیدہٗ اوریتہٗ صلے اللہ علیہ وسلم بھذا المعنی حدیث المذکور لمنافیہ من توبہ:۔

سیجعل ذالک النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالٰی۔ ولم یکن فی ذالک الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار۔ ولا ملک ولا سماء والارض۔ ولا شمس ولا قمر ولا جن ولا انس۔ فلما اراد اللہ ان یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعۃ اجزاء۔ (الی ان قال) ثم قسم الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الاول ابصار المومنین۔ ومن الثانی نور قلوبھم وھی المعرفۃ باللہ ومن الثالث نور السہم وھو التوحید۔ الحدیث بطولہ واللہ اعلم بالصواب ۲۲جامع = انتہی عبادتہ۔

ترجمہ:۔۔۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی روایت اس معنے میں (جو مذکور ہوا) حدیث جابرؓ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے:۔۔۔

وہ نور اللہ کی مرضی سے جہاں چاہتا تھا۔ پھرتا تھا۔ اور اُس وقت نہ لوح تھی نہ قلم۔ نہ جنت تھی نہ آگ۔ نہ ہی فرشتے تھے۔ نہ زمین آسمان۔ نہ سورج نہ چاند نہ جن تھے۔ نہ انسان۔ اس کے بعد (یعنی مدت دراز۔ مولف) جب اللہ تعالٰے نے دوسری مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اور چہارم حصہ کو پھر چار اجزاء پر تقسیم کیا۔ پہلے جزو سے مومنین کی بصارت پیدا کی۔ اور دوسرے جزو سے مومنوں کے دل کا نور پیدا کیا۔ اور یہ نور اللہ کی

معرفت ہے۔ اور تیسرے جزو سے نور السعم۔ یعنی توحید کو پیدا کیا (یعنی مومنوں کے قلوب میں توحید کا عقیدہ تخلیق فرما کر انہیں ودیعت فرمایا۔ مولف) اسی کتاب کے صفحہ ۶۴۳-۶۴۴ پر درج ہے:۔

نشر الطیب کے فصل ثانی کی پہلی اور دوسری روایت میں حاکم و بیہقی و طبرانی کی تخریج سے حدیث قدسی مذکور ہے۔

(نشر الطیب تھانوی صاحب کی لکھی ہوئی سیرت کے موضوع پر ایک مشہور کتاب ہے۔ مولف)

کہ اے آدم اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا:۔

اور رسالہ راحت القلوب میں حاکم کی روایت اور تصحیح سے اور شیخ سبکی اور بلقینی کی اس روایت کی تقریر تثبیت سے نقل کیا ہے:

کہ اگر نہ پیدا کرتا میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو تو نہ پیدا کرتا آدم کو اور نہ بہشت اور دوزخ کو۔ الحدیث۔ ان روایات سے آپ کا واسطہ فیوض و کمالات ہونا جمیع مخلوقات کے لئے ثابت ہوا۔

امت کے لئے تو واسطہ فی العروض کے طور پر۔ اور انبیاء کے لئے واسطہ فی الثبوت کے طور پر۔ کیونکہ واسطہ فی العروض میں موصوف بالشئے حقیقت میں واسطہ ہوتا ہے۔ ذی واسطہ مجازاً موصوف ہوتا ہے۔ جیسے حرکت جالس فی السفینہ کی بواسطہ سفینہ کے۔ کہ حرکت کے ساتھ حقیقت میں صرف سفینہ موصوف ہے۔ جالس درا صل ساکن ہے۔ مگر بواسطہ حرکت سفینہ کے۔ کہ حرکت کے ساتھ حقیقت

میں صرف سفینہ موصوف ہے۔ جالس درا صل ساکن ہے۔ مگر بواسطہ حرکت سفینہ کے جالس کو بھی مجازاً متحرک کہہ دیتے ہیں۔

اور واسطہ فی الثبوت کی ایک قسم میں کہ وہی مراد ہے۔ اس مقام پر موصوف بالشئے ذی واسطہ و واسطہ دونوں حقیقۃً ہوتے ہیں۔ جیسے ید و مفتاح دونوں متحرک ہوتے ہیں۔

پس اُمت کے لئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس قسم کے واسطہ ہیں۔ جیسے سفینہ واسطہ ہے۔ حرکت جالس کے لئے۔ اور فیوض دنیا میں آپ اس طرح واسطہ ہیں۔ جیسے حرکت ید واسطہ ہے۔ حرکت مفتاح کے لئے۔ خوب سمجھ لو۔

میلاد النبی ص ۲۳۵ ــــ از اشرف علی صاحب تھانوی

میں نے بخاری صاحب کے مجدد صاحب کی طویل عبادت نقل کرنے کی زحمت اس لئے اٹھائی ہے۔ کہ بخاری صاحب کے سنہرے الفاظ میں جو دھوکہ پوشیدہ ہے اس کی قلعی کھل جائے۔ بخاری صاحب نے اس فن (دھوکہ دہی) میں کامل مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ لیکن ؎

تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

دھوکہ دہی اور ضمیر پوشی کا ذریعہ دو واسطہ دو لفظ ہیں ..... خلقت ۔ صفت ۔ اور ان دونوں الفاظ کے ارد گرد سنہرے مقدس الفاظ کی باڑ دیدی ہے کہ حقیقت حال پر کوئی اطلاع نہ پاسکے۔ لیکن حقیقت پردوں میں چھپائے نہیں چھپ سکتی۔

اور ڈھونڈنے والے پردے پھاڑ کر چھپی حقیقت تلاش کر لیتے ہیں۔

بہرصورت۔ بخاری صاحب نے بشریت کو خلقت اور نور کو صفت سے تعبیر کیا بظاہر تو یہ عبارت لغو اور بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ خلقت و صفت کا تقابل نہیں۔ خلقت تو ٹھیری ہی مخلوق۔ اور اس کے مقابل جو صفت لائی گئی ہے ہے۔ وہ خلقت سے کیسے بے نیاز ہو سکتی ہے۔ اصل بتانا یہ چاہتے ہیں۔ کہ ذات کے اعتبار سے تو آپ "بشر" ہیں۔ اور صفت کے اعتبار سے نور۔ تو یہ عبارت اور اس کا مفہوم صحیح ہو جاتا ہے۔ اور ایک لکھے پڑھے صاحب علم کی طرف لغویت اور بیہودگی منسوب کرنا کوئی مستحسن بات نہیں۔ بغیر اس تعبیر و تاویل کے یہ عبارت لغویت و بیہودگی کا شکار ہوئے بغیر رہ نہیں سکتی۔

اس تاویل و تعبیر سے بظاہر عبارت تو صحیح و درست ہو جاتی ہے۔ اگر اس عبارت کے یہ معنے کئے جائیں۔ اور اس کے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔ تو پھر یہ سوال اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔ کہ وجوداً ذات مقدم ہوتی ہے یا صفت۔ اس صورت میں تو لازم آتا ہے۔ کہ صفت ذات سے مقدم ہو۔ کیونکہ نور مقدس کی خلقت تو اس وقت ہوئی۔ جبکہ کسی چیز کا وجود اور مادہ بھی موجود نہیں تھا۔ جیسا کہ حدیث جابرؓ سے معلوم ہوا۔ اور بشریت کی خلقت تمام انبیاء و دیگر کرشماتِ اشیاء کے بعد ہوتی ہے۔ اور تقدم صفت علی الذات عقلاً و نقلاً محال ہے۔ ناممکن ہے۔ کیونکہ صفت عرض ہے۔ اور موصوف جوہر۔ عرض جوہر کے سہارے ہی موجود ہوتی ہے

سکتا ہے۔ بغیر جوہر کے لاشئے محض ہے۔ جب تک موصوف یا یوں کہو جوہر وجود پذیر نہ ہو۔ صفت یا یوں کہو عرض کیسے وجود پذیر ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں نور صلے اللہ علیہ وسلم کا جو تعارف حدیث جابرؓ سے کرایا گیا ہے۔ وہ تعارف۔ عرض یا صفت کا نہیں۔ بلکہ وہ تعارف جوہر اور موصوف کا ہی ہو سکتا ہے خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہٖ۔ اگر اس نور کو صفت یا عرض قرار دیا جائے تو بغیر موصوف و جوہر و ذات کے اس کا قرار کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ لامحالہ اقرار کرنا پڑیگا۔ کہ وہ نور جس کی خلقت تمام مکان و کائن سے قبل ہوئی۔ وہ فی ذاتہٖ جوہر ہے۔ ذات ہے۔ موصوف ہے۔ اور اسے صفت۔ عرض۔ قائم بالغیر قرار دینا ایسی لغویت اور بیہودگی ہے۔ جسے کوئی عقلمند ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا۔

جناب تھانوی صاحب تحریر کرتے ہیں ——— کہ اب ہم اس امر کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ ان جمیع کمالات کا فیض حضرات انبیاء کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پہنچا ہے ——— بلفظہٖ

اب بحث طلب امر یہ ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جو کمالات کیلئے منبع ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں منبع و مطلع فیوض ہیں۔ اس سے مراد حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ جسے قرآن اور حدیث نے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ ذات ہے جوہر ہے۔ موصوف ہے۔ یا کہ صفت ہے۔ جو عرض اور قائم بالغیر ہے۔ غور فرمائیے۔ ایک صفت جو کہ بذاتہٖ قائم بالغیر ہے۔ عرض

ہے۔ وہ تمام کائنات کیلئے جس میں حضرات انبیاء بھی شامل ہیں۔ منبع فیوض و برکات کیسے ہو سکتی ہے۔

تھانوی صاحب ذرا آگے چل کر تحریر کرتے ہیں :۔

حدیث جابر میں تنصیص ہے کہ بقیہ سب مخلوقات کی تکوین میں حضرات انبیاء اور ان کے کمالات بھی آگئے آپ کو (حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم) دخل ہے۔ اور یہی حاصل ہے۔ استفادہ کا آپ سے"

سوچنے والی بات یہ ہے۔ اور صراحت طلب امر یہ ہے :۔

کہ حدیث جابرؓ کی تنصیص اور تھانوی صاحب کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم باعث تخلیق کون و مکان اور ذریعہ ہیں اخذ کائنات کا وجوداً و فیضاً عام اس سے کہ زمین ہو یا آسمان۔ جن ہوں فرشتے یا انسان۔ انبیاء ہوں یا اولیاء

مرکز و منبع۔ باعث و سبب۔ ذریعہ و علت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ہے۔ جیسے جناب بخاری صاحب خلقت کے اعتبار سے بشر ہیں۔ کی پرفریب عبادت سے تعبیر کرتے ہیں۔

یا کہ آپ کا نور۔ جسے بخاری صاحب اس عبادت سے تعبیر کرتے ہیں۔

صفت کے اعتبار سے آپ نور ہیں۔ ہر ذی فہم ادنیٰ تامل سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ بشریت کو یہ منصب اعلیٰ و ارفع نہیں مل سکتا۔ کیونکہ جس وقت

ذریعہ تکوینِ عالم بنایا جا رہا تھا۔ اس کے ہزاروں بلکہ لاکھوں برس بعد انہیں جامۂ بشریت میں مبعوث فرمایا ہے ——— جبکہ آپ اس سے بہت پہلے باعث ایجادِ عالم ہو چکے تھے۔

بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ اس منصب عظیم کا ظرف اس "نور" کو عطا ہوا۔ جس کی تخلیق خداوند عالم نے تمام کائنات کے وجود سے اول منفرد فرمائی۔ تو کیا وہ "نور" ذات ہے۔ جوہر ہے۔ یا بقول بخاری صفت ہے۔ عرض ہے۔ تفکروتدبر کی ضرورت ہے۔

تھانوی صاحب اسی مضمون میں تحریر کرتے ہیں: ———

"دوسرے یہاں بھی جس طرح مولانا رومیؒ نے خاتمیت کی دو قسمیں کی ہیں۔ اولیت انبیاء۔ (یعنی انبیاء سے تقدم) کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک اولیت زمانیہ کہ حضور زماناً سب سے متقدم ہیں۔ ایک اولیت ذاتیہ کہ آپ ذاتاً سب سے مقدم ہیں ——— کہ تمام مخلوق وجود اور کمالات میں حضور کی محتاج ہے۔ جن میں انبیاء بھی داخل ہیں"۔ ———

تھانوی صاحب نے یہاں صراحت و وضاحت کر دی۔ کہ آپؐ ذاتاً سب سے مقدم ہیں ———

تمام مخلوق وجود اور کمالات میں حضور کی محتاج ہے۔

اس سے زیادہ اور کیا صراحت چاہئے۔ جبکہ تمام مخلوق وجود اور کمالات میں

حضور کی محتاج ہے۔ تو صاف اور واضح ہے۔ کہ محتاج الیہ محتاج سے ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ ہم حصولِ علم میں استاد اور مرشد کے محتاج ہیں۔ تو استاد اور مرشد جہاں وصف علم و ارشاد میں مقدم ہیں وہاں ان کی ذات بھی یقیناً مقدم ہوگی۔ کیونکہ ذات وصف سے مقدم ہوتی ہے۔ پہلے ذات چاہئے۔ پھر وصف سے اتصاف۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ ذات بعد میں آئے اور اتصاف پہلے ہو جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ درخت تو بعد میں پیدا ہو اور پھل سے اس کا اتصاف پہلے ہو جائے۔ تو معلوم ہوا کہ جب حضور پاک کی ذات تمام کائنات کے لئے محتاج الیہ ہے۔ اور کل کائنات وجود و اوصاف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف محتاج ہے۔ تو لامحالہ آپ کی ذات بھی تمام کائنات سے مقدم ہوگی۔

تھانوی صاحب اسی کتاب میلاد النبی کے ص ۱۳۸ میں بیان کرتے ہیں!

"پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمالات انبیاء میں واسطہ فی النبوت ہیں۔ اس لئے جتنے کمالات انبیاء میں موجود ہیں۔ وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔ اور آپ سے انبیاء کو حاصل ہوئے ہیں۔ اس کی مزید تائید نشر الطیب کی چھٹی روایت منقول من المواہب سے ہوتی ہے۔ کہ امام باقرؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم میثاق میں یہ اقرار لیا کہ "الست بربکم" سب سے پہلے آپ ہی نے فرمایا "بلیٰ" گویا اور حضرات نے اس جواب کی آپ سے تلقی کی"

اب فرمائیے یوم میثاق میں حضور حضرات انبیاء سمیت کی رہنمائی اور تلقی

کرنے والا کون تھا ۔ کوئی صفت تھی یا نور محمد صلے اللہ علیہ وسلم جو کہ ذات ہے ۔ موصوف ہے ۔ بخاری صاحب جس بشریت کو ذات سمجھے ہیں ۔ اس کا تو وہاں نام ونشان بھی نہیں تھا ۔ وہاں تو وہی نور تھا ۔ جو کہ باعث کون ومکان ہے ؛—

میں گذشتہ صفحات میں بیان کر چکا ہوں کہ بخاری صاحب کی پریشانی اس لئے ہے کہ "بشر یا نور" کے سوال سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا انکار مترشح ہوتا ہے ۔ اس لئے آپ نے بشریت کے ثبوت میں اپنی تصنیف کے پچاس سا ٹھ صفحے اس بحث پر صرف کئے ۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے ۔ کہ اس سوال کا منشا بشریت کا انکار نہ ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حقیقی معنوں میں نور کے اطلاق کا انکار کیا جا رہا ہو ۔ اور حق مجازی معنوں میں ذات پاک پر بخاری صاحب نے رسالہ بشریت میں نور کا اطلاق جائز و روا رکھا ہے ۔ وہ محل نظر ہے ۔ بلکہ دلائل قاطعہ سے میں نے ثابت کر دیا ہے ۔ کہ نور آپ کی صفت نہیں بلکہ آپ کی ابتدائی تخلیق کے وقت جو ذات تھی ۔ اسکی قرآنی اصطلاح القرآن میں صحیح ومعقول تعبیر ہے ۔ اور "نور" آپ کی "صفت" نہیں بلکہ آپ کی ذات والاصفات کے تعارف وشناخت کا وہ ذریعہ ہے ۔ جسے قرآن نے اور حدیث قدسی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اختیار و پسند فرمایا ہے ۔ اور آپ کی ذات پر نور کا اطلاق مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے ۔ اور آپ کی ذات والاصفات کی شناخت وپہچان کا جو ذریعہ قرآن نے ہمیں دیا ہے ۔ وہ لفظ نور ہے ۔ اس کی کنہ یا حقیقت نفس الامر یہ حقیقیہ سے ہمیں

روشناس نہیں کرایا گیا۔ البتہ مومن حب مجاہدات اور کثرت سلام و درود سے سرشار ہو کر اس ذات والا صفات کے تعارف کی صحیح تڑپ اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ تو حسب استعداد جو قدرت نے اسے ودیعت فرما رکھی ہے۔ معرفت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ جھلک اسے دکھائی جاتی ہے۔ اور قدر کے یہ معنے غلط ہیں جو اسے وصف قرار دے کر مجازاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کئے گئے ہیں۔ اس غلط اور قطعی غلط نظریئے کی تفصیل یہ ہے کہ نور کے معنے عام روشنی کے لئے گئے ہیں۔ اور اندھیرے میں روشنی ہو جائے۔ تو راستہ و دیگر اشیاء دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دنیا میں کفر کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آپ کی رہنمائی جسے روشنی سے مجازاً تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام کا راستہ ہمیں معلوم ہو گیا۔ تو گویا آپ مجازاً نور ہیں۔ اس لئے آپ "نور" بمعنے رہنما ہو گیا علاوہ ازیں کوئی دوسرے معنے نور کے نہیں ہیں۔ اور "نور" آپ کی ایک صفت ہے اور وہ بھی مجازاً تشبیہاً (ملخصاً)

مگر یہ لوگ خدا معلوم کیوں بھول جاتے ہیں۔ کہ آپ مجازاً وصف نور سے تو اس وقت موصوف ہو رہے ہیں۔ جبکہ آپ کو "تاج ختم نبوت" عطا کیا جاتا ہے۔ اور مکہ مکرمہ" کی گلیوں میں پھر کر پیغام توحید کی ڈیوٹی سرانجام دینی شروع کر دیتے ہیں، لیکن جابرؓ کی حدیث تو ہمیں بتاتی ہے۔ کہ اس سے ہزاروں لاکھوں برس پہلے ذات محمد صلے اللہ علیہ وسلم جسے نور محمدؐ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ باعث ایجاد عالم ہوتی

ہے۔ وہی ذات الست بربکم کے بارعب سوال کا جواب دینے کی توفیق ازلی سے نوازی جاتی ہے۔ اس سوال میں اتنا رعب تھا۔ جلال تھا۔ کہ تمام کائنات دم بخود تھی۔ تمام انبیاء باوجود اولوالعزمی اور قرب ربانی کے رعب سے کانپ رہے تھے۔ اس وقت انبیاء کی رہنمائی کا شرف اس ذات کو عطا کیا گیا تھا۔ جس کی تعبیر نور محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسے مقدس عنوان سے کی جاتی ہے۔ اور زیر بحث وہی نور ہے۔ جس کا اختصاص ذات والاصفات حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے کیا گیا ہے۔

کتنا بڑا ظلم ہے۔ کتنی بڑی بے خبری ہے۔ کس قدر بددینی اور حقیقت واقعیہ سے لاعلمی ہے۔ کہ عنصر پاک پر نور کا اطلاق ایک ایسے مجازی معنی میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی اختصاص نہیں ہے۔ کوئی شان امتیازی نہیں ہے۔ بلکہ ان معنوں میں تو نور کا اطلاق ہر ایرے غیرے نتھو خیرے پہ کیا جا سکتا ہے۔ جس نے آپ دیا بند کے علم میں کسی قسم کا اضافہ کیا ہو۔ مثلاً کتوں اور گدھوں کی اقسام یا سانپوں اور بچھوؤں کی انواع جن سے آپ بے خبر ہیں۔ ایک یورپین نے ریسرچ کر کے آپ کے علم میں اضافہ کر دیا۔ تو آپ اس فلسفی کو صفت نور سے متصف ٹھیرائیں گے غور کیجئے تدبر کیجئے اور ایسے معانی کے مضرات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اگر پہلے آپ کا یہ نظریہ تھا۔ تو اب حجت تمام کر دی گئی۔ اس سے رجوع کیجئے۔ توبہ کیجئے۔ اور تجسس و تدبر اور عبادات کی کثرت درود و سلام سے اس ذات والاصفات

سے نسبت پیدا کیجئے۔ ممکن ہے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ جھلک آپ پر بھی منعکس ہو جائے اور آپ کی دنیا اور دین سنور جائے۔

وما علینا الا البلاغ

(۷)

سوال۔ نور و بشر کا منشأ

میں بتلانا یہ چاہتا تھا۔ کہ نور یا بشر کا منشا یہ نہیں کہ کوئی گروہ یا فرقہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے۔ وہ بشریتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے۔ نہیں ہرگز نہیں اور نہ ہی ایسا ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہادی برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی یہ تصریح فرمادی ہے۔ کہ میں نہ تو جن ہوں اور نہ ہی فرشتہ بلکہ ارشاد خداوندی یہ ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ

کہ میری تعبیر و شناخت ان لوگوں کی استعداد اور سمجھ کے مطابق یہی ہو سکتی ہے۔ کہ میں بھی ایک بشر ہوں۔ مثلکم بعض عنوانات ظاہریہ ہیں جو تمہاری مانوسیت کا باعث ہیں۔ اور اگر تم بیسے خواص ذرا گہرائی میں جانا چاہیں۔ تو مجھ میں ایسے اختصاص بھی ہیں۔ جو تمہیں نہیں دیئے گئے۔ میری بشریت ان افعال و مظاہر ظاہریہ میں جو تمہاری مانوسیت کا باعث بن سکتے ہیں۔ بظاہر تمہارے جیسی ہی ہے تمہاری ہی نوعیت سے میرا رابطہ ہے۔ میری بشریت سے ملتی جلتی ہے۔ مثلکم ۔ (ملتی جلتی) کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو پھر مقصد نبوت و تبلیغ و تلقین بسبب وحشت و

اجنبیت پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اختصاص و تمیز کا وہ بے پایاں سمندر جسے لفظ "یہ نوری" اپنے وسیع و عریض مفہوم میں حاوی و محیط ہے۔ اسے ہر عامی نہیں سمجھ سکتا۔ اس مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پہ فرمایا ہے۔ کہ ایکم مثلی۔ ولست کاحد منہم۔ یہ فرمان ایک کور ذوق کے لئے تو تعارض ہے۔ تضاد ہے۔ لیکن اہل خبر کے لئے یہ دونوں فرمان درست ہیں۔ صحیح ہیں۔ واقعات کے عین مطابق ہیں۔ کوئی تضاد نہیں۔ کوئی تعارض نہیں۔ صرف سمجھ۔ سوچ۔ تدبر و تفکر کی ضرورت ہے۔ ایسے اشکال اہل خبر و تدبر و تفکر کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ ویسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے متعلق تفصیلی بحث اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر ہوگی۔ انشاء اللہ۔

اس وقت تو میں صرف یہ بیان کر رہا ہوں۔ کہ "بشر یا نور" اس سوال کا منشاء اطلاق بشر میں تشکیک ہے۔ یا اطلاق نور میں۔ یہ تو میں تفصیلاً بیان کر چکا ہوں۔ کہ اطلاق بشر میں مسلمانوں کے کسی گروہ کو اختلاف نہیں۔ خواہ وہ بریلوی ہو یا دیوبندی۔ اہل حدیث میں سے کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔ یا غزنوی گروپ سے۔ نیچری ہو یا سیالکوٹی۔ بلکہ قادیانی۔ چکڑالوی۔ پرویزی۔ کسی کو بھی اس اطلاق میں ذرا تھوڑی سی تفریق کے ساتھ اختلاف نہیں۔ البتہ سوال کے دوسرے جزو۔ یعنی نور۔ اس میں ضرور اختلاف ہے۔ خصوصاً

ایک گروہ کو تو اس میں اطلاق۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات
پر اطلاق نور سے نہ صرف اختلاف ہے۔ بلکہ اس اطلاق سے انہیں چڑ ہے
ضد ہے۔ مخاصمت ہے۔ اور میرے خیال میں مصنف رسالہ "بشریت النبی" بھی
شاید اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے انہوں نے الفاظ کے ہیر پھیر و ادبیت
کے پردے میں چھپانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ کل رسالہ بشریت النبی کے ۱۲۸ صفحات
میں چھپے ہوئے سیاہ و مظلم الفاظ کا پورے غور سے مطالعہ کر سکتے ہیں۔ تو پتہ
معلوم ہوتا ہے۔ کہ ثبوت "بشریت" میں تو بہت ہی زور قلم صرف کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ
بشریت کا منکر کوئی گروہ موجود نہیں۔ جو مسلمان ہو اور بشریت النبی
کا انکار کرے۔ اور سوال کے دوسرے جزو۔ یعنی نور کے متعلق چند لائنیں یا سطریں
بھی نہیں لکھی گئیں۔ باوجودیکہ مسلمان کہلانے والا ایک بدبخت گروہ ایسا بھی موجود
ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو نور سے تعبیر کرنا نہ صرف ناجائز
خیال کرتا ہے۔ بلکہ ایسے اطلاق سے اسے چڑ ہے۔ ضد ہے۔

اس وقت رسالہ ترجمان القرآن بابت ماہ جون ۱۹۴۲ء جسے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
صاحب مرتب کرتے ہیں۔ میرے پیش نظر ہے۔ اس میں مندرجہ ایک سوال جس
کا جواب جناب مودودی صاحب نے دیا ہے۔ درج کر دیتا ہوں۔ اس سے آپ کو
معلوم ہو جائیگا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لفظ نور کے اطلاق سے کس
حد تک چڑ ہے۔ ضد ہے۔

جناب مودودی صاحب نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں آیت۔

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

کا ترجمہ یوں کیا! ———————————

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی۔ اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں۔ سلامتی کے طریقے بتاتا ہے!

جناب مودودی صاحب کے اس ترجمہ سے صاف مستفاد ہوتا ہے کہ روشنی اور کتاب حق نما دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں۔ اس سے زیادہ مودودی صاحب کا کوئی جرم نہیں۔ لیکن اس گروہ کو اتنا کہاں برداشت ہو سکتا تھا۔ ان کا ایک نمائندہ سیخ پا ہو جاتا ہے۔ اور مودودی صاحب کو تنبیہ کرتے ہوئے۔ اس ترجمہ کے مضرات سے آگاہ کرتا ہے۔ اور مشورہ دیتا ہے۔ کہ آپ اس پر نظر ثانی کریں۔ (یعنی اس ترجمہ کو بدل دیں) لیکن مودودی صاحب کی طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے۔ کہ جہاں اٹھائیں وہاں سے انہیں کوئی ہلا نہیں سکتا۔ خواہ موقف حق ہو یا باطل ہو مگر اس مسئلہ پر تو تھے ہی حق پر اب انکو کون ہلا سکتا تھا چنانچہ ڈٹ گئے اور اس کے جواب میں ایک مسکت بیان دے کر اسے ترجمان میں شائع کر دیا۔ ناظرین کی آگاہی اور دلچسپی کے لئے میں اس سوال وجواب کو من وعن نقل کر رہا ہوں: ———————

ترجمان القرآن کے ص۴۹ پر اس سوال و جواب کا عنوان ہے۔

کیا "نور" اور "کتاب مبین" ایک شئے ہے؟

سوال:۔ تفہیم القرآن کے مطالعہ سے دل کو سکون اور ذہن کو اطمینان ہوتا ہے:۔ لیکن سورہ مائدہ رکوع سوم آیت ۱۵۔ تفہیم القرآن حصہ اول میں "قد جاء کم من اللہ نورٌ وکتاب مبین" کا ترجمہ و تفسیر کرتے وقت آپ سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جس سے ایک گروہ کو اپنے مفید مطلب مواد ملتے اور دوسرے گروہ کو آپ کی علمیت پر انگشت نمائی کا موقع حاصل ہونے کا امکان ہے۔ آپ نے آیت کے اس حصہ کا ترجمہ یوں فرمایا ہے:۔——

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے۔ اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضاء کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے............

اس ترجمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ "روشنی" کو ایک الگ شئے اور "حق نما کتاب" کو بالکل دوسری چیز سمجھتے ہیں۔ اسی کے حاشیہ (نمبر ۳۸) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے وہاں تحریر فرمایا ہے:——

"جو شخص اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی زندگی سے روشنی حاصل کرتا ہے"

گویا آپ "نور" سے رسول کریم کی ذات یا ان کی زندگی اور "کتاب مبین" قرآن مراد لے رہے ہیں۔ حالانکہ اگلی آیت کا دوسرا لفظ "بہ" (اللہ) صاف بتا رہا ہے

کہ ان دونوں (نور اور کتاب مبین) سے مراد ایک چیز ہے ۔ دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں ۔ اگر دو الگ الگ ہوتیں تو "بہ" کی جگہ "بہم" آتا ۔ جیسا کہ آپ کا ترجمہ بتا رہا ہے ۔ جس کے ذریعہ (نہ کہ جن کے ذریعہ) سے اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو.........

رہا یہ سوال کہ دونوں اگر ایک ہی چیز ہیں ۔ تو وہ کیا چیز ہے ۔ "رسول یا قرآن مجید" یہ تو آپ بھی تسلیم فرمائینگے ۔ کہ رسول اکرمؐ کو سارے قرآن میں نہ کہیں "نور" کہا گیا ہے ۔ اور نہ "کتاب مبین" البتہ قرآن کریم کو کئی مقامات پر (مثلاً سورہ نساء آیت ۱۷۴ ۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۷ ۔ سورہ شوریٰ آیت ۵۲ اور سورۂ تغابن آیت ۸) نور سے یاد کیا گیا ہے ۔ اور کتاب مبین تو وہ ہے ہی ۔

اب سوال ہے ۔ "نور" اور "کتاب مبین" کے درمیان جو واؤ عاطفہ ہے ۔ وہ کیسی ہے ۔ ؟ اور اس کا مفہوم اگر "اور" نہیں ہے ۔ تو کیا ہے ۔ یقیناً واؤ عاطفہ بھی ہوتی ہے ۔ جس کا مطلب "اور" ہوتا ہے ۔ لیکن واؤ تفسیری اور توضیحی بھی ہوتی ہے اور قرآن کریم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوئی ہے ۔ یہ تو آپ کو علم ہی ہے ۔ کہ قرآن اپنی تفسیر آپ بھی کرتا ہے ۔

مثال کے طور پر سورہ الحجر آیت ۱ ۔

الرا تلک آیات الکتاب وقرآنٍ مبین

ترجمہ : یہ کتاب یعنی واضح قرآن کی آیات ہیں ۔

کیا یہ ترجمہ ٹھیک ہوگا ۔ "الرا" یہ کتاب اور قرآن واضح کی آیات ہیں ۔ ؟

(حالانکہ کتاب اور واضح قرآن ایک چیز ہیں)

اسی طرح سورۃ "نمل" کی ابتدائی آیت۔

طٰسٓ۔ تلک آیات القرآن وکتاب مبین

طٰسٓ: یہ قرآن کتاب کی آیتیں ہیں" کے ترجمہ سے شک پڑتا ہے۔ کہ شاید قرآن اور شے ہو اور کتاب واضح اور چیز۔ حالانکہ قرآن اور کتاب واضح ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ حاصل یہ ہے۔ کہ "واو" تشریح اور تفسیر کے لئے (یعنی کے معنوں میں) بھی استعمال ہوتی ہے۔ آیت زیر نظر

"قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین"

میں واو توضیحی (تفسیری) ہے۔

آپ کا ترجمہ دراصل یوں ہونا چاہیئے: ————

"تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی یعنی ایک ایسی حق نما کتاب آگئی ہے۔ جس کے ذریعے ...."

تشریحی نوٹ:۔ (حاشیہ نمبر ۳۸) یوں ہوتا تو درست ہوتا .... جو شخص اللہ کی کتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اسے فکر و عمل ....

رہا سوال کا ذکر تو وہ اسی آیت کے پہلے حصہ میں "یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا .... عن کثیر" کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ متاخرین میں مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں اسی حصہ کا ترجمہ

تمہاری طرف اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے۔ اور (وہ) ایک کتاب واضح ہے۔

یعنی قرآن مجید.......... اس کے ذریعے سے اللہ تعالے..... کیاہے۔

انہی کے شاگرد مولانا عبدالماجد دریا بادی نے انگریزی تفسیر میں اسی مقام پر "مبین" کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"مبین سے اشارہ نکلتا ہے۔ کہ قرآن مجید نہ صرف فی نفسہ نور ہے۔ بلکہ دوسری اشیاء کو بھی واضح اور روشن بنا دیتا ہے"

امید ہے۔ آپ ان گزارشات کی روشنی میں "تفہیم القرآن" کے اس حصے پر نظر ثانی فرمائینگے۔ تاکہ ایک فریق کو اپنے غلط عقائد کے لئے غذا اور فریق دیگر کو تنقید کا موقعہ میسر نہ آسکے"

"اس کے جواب میں مودودی صاحب نے جو تحریر کیاہے وہ یہ ہے۔

جواب :- آپ کا خط ملا۔ آیت "قد جاءکم من اللّٰہ نورٌ وکتٰب مبین" کا جو ترجمہ میں نے کیاہے۔ اس سے پہلے متعدد مترجمین بھی وہی ترجمہ کر چکے ہیں۔ اور اس کی تفسیر میں بھی منفرد نہیں ہوں۔ بلکہ متعدد اکابر مفسرین نے بھی اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ پہلے چند اردو ترجمے ملاحظہ کیجیے۔ ——

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ "واٰمدہ شما را از خدا نورے وکتابے روشن یعنی قرآن"

(۲) شاہ رفیع الدین صاحب "آئی تمہارے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب بیان کرنے والی۔

(۳) شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ : تم پاس آئی اللہ کی روشنی اور کتاب بیان کرنیوالی۔

(۴) مولانا محمود الحسن صاحب کا ترجمہ : بے شک تمہارے پاس آئی ہے۔ اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

یہ تو ہیں پچھلے بزرگوں کے ترجمے۔ اب ذرا اکابرین مفسرین کی تفسیریں بھی ملاحظہ ہوں۔

ابن جریر۔ نور کی تفسیر کرتے ہیں۔ یعنی بالنور محمداً صلے اللہ علیہ وسلم الذی انار اللہ به الحق۔ واظہر به الاسلام ومحق به الشرک :

ترجمہ۔ نور سے مراد محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کے ذریعے سے اللہ نے حق کو روشن کیا۔ اسلام کو غالب فرمایا۔ اور کفر کو مٹا دیا۔

امام رازی لکھتے ہیں :۔ فیہ اقوال۔ الاول ان المراد بالنور محمدٌ وبالکتاب القرآن۔ والثانی ان المراد بالنور الاسلام وبالکتاب القرآن۔ والثالث النور والکتاب ھو القرآن۔ وھذا ضعیفٌ لان العطف یوجب المغایرۃ بین المعطوف و المعطوف علیہ۔

ترجمہ :۔ اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ ایک[1] یہ کہ نور سے مراد محمد ہیں اور کتاب سے قرآن۔ دوسرا[2] قول یہ ہے۔ کہ نور سے مراد اسلام۔ اور کتاب سے مراد قرآن ہی ہے۔ مگر یہ قول کمزور ہے۔ کیونکہ عطف میں لازم ہے۔ کہ معطوف و معطوف الیہ کے درمیان مغایرت ہو :۔

علامہ آلوسی نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے :۔ کہ نور سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہم تیسرے قول پر چل کر نور اور کتاب سے مراد قرآن

کی ذات ہے: ـــــــــ

مولانا شبیر احمد صاحب نے اگرچہ یہ بات کہ "نور" سے مراد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں لفظ شاید کے ساتھ لکھی ہے۔ لیکن اس کے سوا انہوں نے کوئی دوسری تفسیر بیان نہیں کی ہے۔ اس لئے معلوم یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر "شاید" کا لفظ انہوں نے اس بنا پر لکھا ہے۔ کہ قرآن میں نور سے مراد حضور کی ذات ہونے کی تصریح نہیں ہے۔

آپ نے جو اشکال "یھدی بہ" کی ضمیر واحد سے وارد کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس امر کی متعدد نظریں موجود ہیں۔ کہ واؤ عطف کے ساتھ دو الگ ہستیوں کا ذکر کرنے کے بعد صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے۔ اور وہاں واؤ عطف کو تفسیر کے معنے میں لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثال کے طور پر سورہ نور میں فرمایا۔

اذا دعوا الی اللّٰہ و رسولہ لیحکم بینھم :۔ آیت ۴۸ کیا یہاں آپ واؤ کو تفسیر کے معنے میں لیں گے۔ درحقیقت ایسے مواقع پر ضمیر واحد اس وجہ سے استعمال کی جاتی ہے۔ کہ دونوں حکم میں ایک ہوتے ہیں۔ اللہ کا حکم اور رسول کا حکم دو الگ چیزیں نہیں۔ بلکہ ایک ہی حکم ہے۔ جو اللہ اور رسول دیتے ہیں۔ دونوں میں تخالف ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح کتاب کی ہدایت اور رسول کی ہدایت دو جدا جدا نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں ایک ہی ہدایت دیتے ہیں۔

باقی رہا آپ کا یہ خیال کہ اس تعبیر سے بعض لوگ غلط استدلال کر سکتے ہیں۔ تو اس کے متعلق میں یہ عرض کر دوں گا۔ کہ اصل گمراہی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نورِ ہدایت قرار دینا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی بشریت کا انکار ہے۔ آپ کے لئے محض لفظ نور کے استعمال سے اگر کوئی شخص یہ استدلال کرتا ہے:

کہ آپ بشر نہ تھے۔ کیونکہ قرآن میں آپ کو "نور" کہا گیا ہے۔ تو وہ آخر اس بات کا کیا جواب دیگا۔ کہ قرآن میں تو آپ کو سراج منیر روشنی دینے والا چراغ بھی کہا گیا ہے۔ پھر کیا اس سے یہ لازم آئیگا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہ تھے۔ بلکہ ایک چراغ تھے۔

ترجمان القرآن بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء ص ۴۹، ۵۰، ۵۱

اس طویل عبارت کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ مسلمان کہلانے والا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے۔ جسے یہ بھی گوارا نہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نور سے تعبیر کیا جائے۔ حالانکہ آپ کو بھی معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، جناب محمود الحسن سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند کے علاوہ متقدمین میں سے ابن جریر۔ امام رازی۔ علامہ آلوسی۔ اور متاخرین میں سے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے "نور" سے ذات والا صفات صلے اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے۔

جس نظریہ کا قائل یا معتقد نہ متقدمین میں کوئی پایا جاتا ہے۔ نہ ہی متاخرین میں یعنی منکر بشریت صلے اللہ علیہ وسلم۔

اس کے متعلق تو جناب بخاری صاحب نے ۹۲۸ صفحات سیاہ کر دیئے۔ الخ

سوال کا دوسرا جزو جس کا منکر مسلمان کہلانے والا ایک گروہ موجود ہے۔ اس
دوسرے جزو یعنی "نور" کے متعلق باوجود ایک گروہ کے منکر ہونے کے ایک لفظ تک
لکھنا گوارا نہیں کیا۔ صرف خلقت و صفت کے مبہم الفاظ پر اکتفا کرتے ہوئے معاملہ
ختم کر دیا۔ [illegible]

اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ بخاری صاحب کا ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
کو نور کے لفظ سے تعبیر کرنا قبول ہی نہیں کرتا۔ پس وہ اس پہلو پر گفتگو نہیں
ڈالی [illegible]

بخاری صاحب اپنے ضمیر کی ترجمانی یوں کرتے ہیں کہ [illegible]

اگر نور بشر سے اشرف و اکرم ہے تو حضور کو بشر نہیں کہنا ہوگا۔
نور کہنا ہوگا۔ اور اگر بشر نور سے برتر و افضل ہے۔ تو حضور کو نور نہیں
ماننا ہوگا [illegible] (بشریت الغنی صفحہ ۲۳)

[illegible] نور اور بشر کے متعلق افضل و غیر افضلیت کی بحث تو بعد میں آئیگی۔ اور
انشاء اللہ سیر حاصل بحث کی جائیگی۔ اور جس بحث سے بچتے ہوئے بخاری صاحب کو دو چار
ہونا ہے بحیثیت ایک خیرخواہ کے اس کی پوری اور مکمل نشاندہی کی جائے گی۔
لیکن سر دست مجھے یہ بتانا ہے کہ انہوں نے کس نشے کی حالت میں یہ کہا ہے۔ اور
وہ قطعی بھول گئے کہ میں پہلے کیا کہہ آیا ہوں اور اب کیا کہہ رہا ہوں۔
صفحہ پر لکھ آئے ہیں —— کہ نبی کریم "نور" بھی ہیں اور "بشر"

ہیں۔ اور نور اور بشر میں کوئی تضاد یا تخالف نہیں۔ اب ص ۳۳ پر ارشاد ہوتا ہے

"اگر نور بشر سے اشرف و اکرم ہے۔ تو حضور کو بشر نہیں کہنا ہوگا۔ نور کہنا ہوگا۔ اور اگر بشر نور سے برتر و افضل ہے۔ تو حضور کو نور نہیں ماننا ہوگا۔ بشر ماننا پڑیگا"

ان دونوں عبارتوں کو پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے۔ کہ کیا یہ دونوں متضاد عبارتیں ایک ہی قلم کا شاہکار ہیں۔ ایک ہی شخص کا تقریر ہیں۔ ایک ہی شخص کی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہیں۔ اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اسے علوم دینیہ میں مہارت کا دعوٰی ہے اور وہ تالیف و تصنیف کو اپنا پیشہ قرار دے چکا ہے۔

پچھلے دنوں لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے ایک ملنے والے سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا۔ کہ جناب بخاری صاحب ان دنوں کس پروانہ میں ہیں تو انہوں نے جواباً فرمایا۔ کہ قبلہ بخاری صاحب نے اب تصنیف و تالیف کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔

یہ تو مشت نمونہ از خروارے ہے۔ ورنہ ان کی تصانیف میں اس قسم کی بدحواسیاں جتنی چاہو۔ تلاش کر لو۔ اس انبار میں سے انتخاب کرتے کرتے آپ تھک جائینگے۔ اور انبار ختم نہیں ہوگا۔ ایک دو مثالیں اور بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بخاری صاحب کی مایۂ ناز تصنیف "رسالہ بشریت" کے صفحہ ۲۰۴ پر درج ہے۔

"آج سے کچھ مدت پیشتر اس "نوری۔ بشری بحث" کا کہیں وجود تک نہیں ملتا۔ خیر القرون میں کہیں یہ عنوان نظر آتا ہے۔

نہ علمائے متقدمین و متوسطین نے اس پر بحث کی ہے۔ اور نہ ہی متاخرین حضرات نے اس مسئلہ کو محل کلام و نزاع بنایا ہے ۔

اسی رسالہ بشریت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ص ۲۶ پر بڑے طمطراق سے ارشاد ہوتا ہے :۔

"نور بشریت کی یہ بحث کوئی نئی بحث نہیں۔ کہ اس پر آج مباحثے اور مناظرے ہوں۔ یہ بہت پرانی بحث ہے۔ اور اس پر ابتدائے آفرینش عالم سے معرکتہ الآراء مناظرے ہوتے چلے آئے ہیں۔

پس اب ان محترم ص ۴/۳ اور ص ۲۶ کو ملا کر پڑھیئے۔ جناب بخاری صاحب کیا تحریر فرماتے ہیں۔ اور پھر غور کیجیئے۔ کہ ان دونوں عبارتوں میں کوئی تطابق و توافق کی صورت متصور ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!۔

اب میں صرف ایک اور نشاندہی کر کے اس بحث تضاد و تخالف کو ختم کرتا ہوں۔ اور اصل بحث کی طرف آتا ہوں۔ یہ آخری نشاندہی جہاں علمی کمزوری اور فقدان سلیقہ تصنیف کی بدترین مثال ہے۔ وہاں اس عقیدہ وارادت کی بھی کھلی اور واضح غمازی ہے۔ کہ جناب مصنف سلطان القلم کو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدہ ۔ محبت و احترام ہے۔ اس کا حدود اربعہ کیا ہے۔ اور حضرت مصنف کتنے پانی میں کھڑے ہیں۔

"رسالہ بشریت" کے صفحہ ۲۹ پر تحریر کرتے ہیں :۔

"شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی "حدیث" بخاری "خلق اللہ آدم علی صورتہ"

کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ان المراد بالصورۃ الصفۃ۔ والمعنی ان اللہ خلقہ علی صفتہ من

العلم ۔ والحیاۃ ۔ والسمع والبصر ۔ وغیر ذالک وان کانت صفات

اللہ تعالٰی لا یشبہہا شئ ۔ ۱۲

ترجمہ:۔ اور صورت سے مراد صفت ہے ۔ اور معنی یہ ہے ۔ کہ اللہ تعالٰی نے آدم

کو اپنی صفت علم ۔ حیات ۔ سمع ۔ بصر ۔ وغیرہ پر پیدا کیا ہے ۔ اگرچہ کوئی چیز صفات

باری تعالٰی کی مشابہ نہیں :

یہاں صورت سے مراد صفت ہے ۔ یعنی اللہ تعالٰے کی صفات سبعہ ۔ حیات

علم ۔ قدرت ۔ ارادہ ۔ سمع ۔ بصر ۔ کلام ۔ کا مظہر اتم مخلوق ربانی میں اگر ہے ۔ تو

صرف آدمی ۔ آدمی کے علاوہ اور کوئی ایسی مخلوق نہیں جس میں ان صفات ربانی کی

جھلک موجود ہو ۔

دو سطر کے بعد مزید تشریح و تصریح کرتے ہیں ۔

مطلب یہ ہے کہ بشر ان صفات الہیہ سے متصف ہے ۔ بلفظہ ۔

گویا خلق اللہ آدم علی صورتہ ۔ کے معنے یہ ہیں ۔ کہ صفات الہیہ کاملہ کا وہ پورا اور

مکمل نمونہ و مظہر ہے ۔ اور وہ جملہ صفات عالیہ فاضلہ جن کا ایک حادث ۔ ممکن متحمل

ہو سکتا ہے ۔ ان کے حصول کی پوری پوری استعداد آدم میں ودیعت کی گئی ہے

ورنہ ہر فرد انسان میں جملہ صفات کاملہ ۔ فاضلہ کا وجود بالفعل خلاف واقعہ ہے ۔ البتہ اس نوع میں ایک فرد کامل ہے ۔ جس میں یہ جملہ صفات کاملہ فاضلہ بالفعل ودیعت فرمائی گئی ہیں ۔ اور وہی فرد کامل صفات الٰہیہ سبعہ کا مظہر اتم و مستجمع صفات ہے ۔ اور ظاہر ہے ۔ کہ وہ ذات سید العرب والعجم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے ۔

خلاصہ :۔ یہ کہ وہ تمام انعامات واکرامات اوصاف و صفات ۔ اختیارات وارادات جس حد تک ایک ممکن وحادث و مخلوق کے ظرف میں سما سکتے ہیں ۔ "نوع بشریہ کے فرد کامل یعنی نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم میں بالفعل ودیعت کئے جا چکے ہیں ۔ اور انہیں ان تمام اوصاف سے مالا مال کیا جا چکا ہے ۔ اور اس افضال و اعطاء میں ذرا بھی بخل یا دریغ روا نہیں رکھا گیا "

یہ مفہوم و مطلب ہے ۔ حدیث بخاری کا ۔ اور تشریح و تفصیل ہے ۔ ابن حجر عسقلانی رحہ کی جس سے مصنف رسالہ بشریۃ النبی ۔ جناب نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے موافقت و مطابقت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تائید کے لئے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے ۔

اب اسی رسالہ کا ص۸۷ پڑھئے :________ لکھتے ہیں ۔

" رحمت حق ۔ رحمت عالم ۔ رحمۃ للعالمین ۔ انسانیت کے دائمی قائد و محسن (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک نہیں تین جگہ پر برملا اعلان فرمادیا ہے ۔ کہ میں خلقت میں تمہاری طرح بشر ہوں ۔ (میرا فخر و شرف یہ ہے کہ) میں اللہ کا رسول ہوں ۔ اور اس

کی وحی کا محس و مہبط۔

میں خدا ہوں نہ خدائی اوصاف سے متصف۔ ! میں خدا کا ایک بے اختیار و بے بس بندہ ہوں۔ معبود برحق الٰہ واحد۔ عبادت و بندگی کا واحد مستحق، غافر الذنب۔ قابل التوب۔ سبوح۔ قدوس۔ تمام اختیارات۔ تمام قدرتوں اور تمام طاقتوں کا مالک ——— دعاؤں التجاؤں۔ اور فریادوں کا سمیع و مجیب اور فریاد رس، وہی ذات احد ہے۔ اللّٰہ الصمد ——— انتہی بلفظہ

آپ اس عبارت کو ص ۷۶ کی عبارت سے ملا کر پڑھئے۔ تو جس اندرونی کیفیت کو انہوں نے حسین الفاظ اور سنہری عبارات میں چھپانے کی سعی لا حاصل کی ہے وہ عیاں ہو کر سامنے آجائے گی۔

ص ۷۶ پر تو تحریر ہوتا ہے۔ یا تحریر سے واضح مفہوم ہوتا ہے۔ کہ وہ جو صفات و اختیارات جو ایک ممکن۔ حادث و مخلوق کو عطا کئے جا سکتے ہیں۔ وہ تمام کے تمام سارے کے سارے۔ پورے کے پورے بلا کم کاست بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے جا چکے ہیں۔ اور اس میں ذرا بھر بخل یا دریغ روا نہیں رکھا گیا۔ اور آپ کو اس اعلیٰ و ارفع تخت و تاج کا مالک بنا دیا ہے۔ جو ایک ممکن و حادث کو دیا جا سکتا ہے اور کوئی زیادہ وقت بھی نہیں گزرا۔ کہ آپ کی طرف تین بار ایک اعلان منسوب کر کے سارے کئے کرائے پہ پانی پھیر دیا۔

——— وہ اعلان یہ ہے ———

"میں خدا کا ایک بے اختیار و بے بس بندہ ہوں"۔

غور فرمائیے اور عقل و فراست کے ناخن لیجئے۔ کہ ایسی ناشکری و کفرانِ نعمت حضورِ پاک کی ذات والا صفات کی طرف مصنف رسالہ بشریت اور اس کا ہم خیال گروہ ہی کر سکتا ہے۔ کوئی عقلمند جسے عقل و دانش کا کچھ قلیل حصہ ہی دیا گیا ہو۔ وہ ایسی ناشکری اور کفرانِ نعمت کے الفاظ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے منسوب کر سکتا ہے۔ وہ عقل کل۔ خداوند عالم کا شکر گزار ایسی ناشکری اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرے۔ آپ تو فرماتے ہیں۔ انا سید ولد آدم ولا فخر۔ میں اولاد آدم کا سردار و آقا بنا دیا گیا ہوں۔ قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئیگا۔ کہ کہیں گھمنڈ کا نام و نشان بھی نہ ملیگا۔ اور میرے ہاتھ میں "لواء حمد" ہوگا۔ یہ سب خدا کی عطا و افضال ہے۔ میں نہ تو فخر کرتا ہوں۔ اور نہ ہی ناشکری۔

"اما بنعمت ربك فحدث"

مثال دیگر سمجھانے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ ایک بادشاہ نے از راہ عطوفت و مہربانی اپنے وزیر یا کسی تعلق و رابطہ والے کو جس سے وہ محبت اور پیار کرتا ہے۔ اور اپنی تمام رعایا پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ تم سب میں سے مجھے فلاں سے زیادہ پیار ہے۔ اور میں نے وہ تمام اختیارات جو ایک نائب یا شاہی خدمت گزار کو دیئے جا سکتے ہیں۔ اس کو تفویض کر دیئے ہیں۔ اب تم پر لازم ہے۔ کہ اس کی پوری اطاعت کرو۔ اور اگر مجھ سے کچھ لینا ہے۔ تو میرے اس محبوب کو واسطہ اور وسیلہ بناؤ۔

اور جب تک وہ رضامند اور مطمئن نہ ہو۔ براہ راست میں کوئی چیز کسی کو نہیں دونگا۔ یہ میری اپنی ذاتی رائے اور فیصلہ ہے۔ نہ تو مجھ پر کوئی دباؤ ہے۔ نہ اکراہ۔

اب اگر کوئی اس کے پاس جائے۔ اور اسے شفیع یا سفارشی بنانے کی کوشش کرے۔ تو اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں تو بے اختیار و بے بس ہوں۔ اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو کیا یہ خلاف واقعہ معاملہ نہیں ہوگا۔ اور اگر اس میں اپنے احترام کا کچھ پاس ہے۔ تو وہ ایسی خلاف واقعہ بات جو واقعیت و اصلیت کا الٹ اور خلاف ہے۔ کیسے کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا خلاف واقعہ ہے۔ اور اپنے منعم و آقا کی ناشکری ہے۔

یا یوں کہو۔ کہ ایک کو اپنی رعایا میں سے انعامات و اکرامات سے نوازا ہو۔ اسے ایک معقول جاگیر بھی دے رکھی ہو۔ اور وہ اس انعام و اکرام کے علاوہ ہر وقت اسکی خوشنودی اور رضامندی کو مدنظر رکھتا ہو۔ اس کی سفارش بخوشی مانتا ہو نہ بہ جبر و اکراہ۔ اور اس کی رضاء و خوشی کا پورا پورا خیال کرتا ہو۔ اور تیسرا انسان درمیان میں خواہ مخواہ اس منعم علیہ کی طرف ایسے اعلان منسوب کرتا ہے کہ "مجھ پر کوئی انعام و اکرام نہیں اور نہ ہی مجھے اختیار دیا گیا ہے" تو کیا یہ خلاف واقعہ بات اس منعم علیہ کی طرف منسوب کرنے سے اس کی طبیعت پر بوجھ نہیں ہوگا۔ اور اسے ناراضگی نہ ہوگی۔ اور وہ یہ نہیں کہے گا کہ بادشاہ نے تو مجھ پر بہت بڑا انعام و اکرام کیا ہے۔ اور میں اس کے انعامات و عنایات کا شکر گذار ہوں۔ یہ کون جھوٹا ہے جو خلاف واقعہ اعلان میری طرف منسوب کر کے عوام میں میری قدر و منزلت گھٹانے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔

میں ھدیاوقت کرتا ہوں۔ کہ جبکہ مدنی سرکار ابد قرار کو خداوند کریم نے ان تمام انعامات سے نوازا۔ اور یہ سارے انعامات وصفات عالیہ خاصہ حضور پاک کی ذات میں موجود ہیں ان انعامات کی موجودگی میں حضور نے یہ خلاف واقعہ اعلان کب کیا۔ کہاں کیا۔ کس کس نے اس اعلان کو نشر کیا۔ تحریر کیا۔ وہ عبارت کہاں ہے وہ الفاظ کہاں ہیں۔ جن کے ذریعے حضور پاک نے نعوذ باللہ عیاذاً باللہ اتنی بڑی خلاف واقعہ بات کی ہو خدا کے نعم کی اتنی بڑی ناشکری کی ہو۔ یہ اعلان جو تین بار کیا گیا ہے۔ اس اعلان کو کس نے سنا۔ کس نے محفوظ کیا۔ اور اب یہاں ہم تک پہنچایا۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ ستے لاثور ولا تحصٰے انعامات جن کا تذکرہ شاہ عبدالعزیز رحمہ محدث دہلوی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ع

یا صاحب الجمال و یا سید البشر | من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ | بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان انعامات واکرامات کی موجودگی میں ایک بار نہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین بار اعلان کریں:

"میں خدا کا بے اختیار و بے بس بندہ ہوں" ؟

ادھر تو آپ اعلان فرمائیں۔ کہ میں باعث ایجاد کون و مکان ہوں۔ زمین و آسمان پیدا کیا گیا۔ ازل میں تمام انبیاء کی قیادت و رہنمائی کا شرف مجھے دیا گیا۔

... اور قیامت میں جب کبھی مشکل پیش آئے گی تو تمام مقربین و انبیا کرام میری رہنمائی کے محتاج ہونگے۔ نوح علیہ السلام کو طوفان سے نجات میرے طفیل ہوئی۔ص یہ اختیارات تہیں ہیں تو عجیب کیا ہیں؟ محمدان تمام واقعات کی موجودگی میں آپ تین بار اعلان کرتے ہیں۔ تو پھر یہ سوال ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔ کہ پھر حضور کیا چاہتے ہیں۔ جس کے فقدان نے انہیں مجبور کیا۔ کہ نعوذ باللہ۔

ص آدم علیہ السلام کی توبہ میرے طفیل قبول ہوئی۔

"میں خدا کا بیٹا اختیارسے بھی بندہ ہوں"

کوئی سنی مسلمان اللہ تعالے کی صفات قدیمہ ازلیہ کو حضور کے اندر نہیں مانتا تو پھر ایسے لغو اور بے ہودہ بے نتیجہ۔ بے معنی اعلان کی نسبت آپ کی طرف کیوں کی گئی؟ یہ کذب ہے۔ بہتان ہے۔ افتراء ہے ——— ڈوں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ دیا گیا ہے۔ جس کا ایک ممکن اور حادث متحمل ہو سکتا ہے۔

میرے ان مختصر سے اشارات نے مصنف بشریت النبی کو اپنے مبلغ علم کی ایک جھلک ضرور دکھادی ہوگی۔ اور وہ اپنی لغزشوں۔ اور اپنی علمی بے مائگی۔ اور افلاس سے ضرور باخبر ہو چکے ہونگے۔ میری دعا ہے۔ وہ حقیقت واقعیہ اصلی شکل و صورت میں دیکھ لیں اور بھول بھلیوں سے تائب ہو کر صحیح مسلمان بن جائیں۔ آمین ثم آمین۔

یہ مضمون لمبا ہو رہا ہے۔ اور ابھی ختم کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی۔ اس توقع پر کہ شاید کوئی لفظ کوئی فقرہ ہمارے بھولے بھٹکے بھائیوں کے دل پہ اثر کر جائے۔ اور وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر راہ راست پہ آجائیں۔ مجھے حیرانی اس امر پہ ہوتی ہے۔ کہ جس

شہنشاہ کے دروازے پر موت کا فرشتہ (عزرائیل) تھراتا۔ کانپتا حاضر ہوا۔ دراں حالانکہ وہ اپنی مفوضہ ڈیوٹی کی تعمیل میں حاضر ہوا۔ حویلی سے باہر کھڑا ہو کر سائل کی طرح اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ حاضرین مجلس عرض کرتے ہیں۔ (آقا فداہ ابی و امی) یہ اجنبی سائل کون ہے؟ ارشاد ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے۔ جس نے آج تک کسی سے اجازت نہیں مانگی۔ لاکھوں برس کا طویل عرصہ گزرتا ہے۔ کروڑوں انسانوں کی روحوں کو قبض کرنے کی ڈیوٹی دیتا چلا آیا ہے۔ لیکن اس نے اپنی اس ڈیوٹی کے لئے کبھی کسی سے اجازت نہیں چاہی۔ یہ تمہارے نبی علیہ السلام کی شان ہے احترام ہے۔ کہ وہ اجازت طلب کر رہا ہے۔ لیکن بعض لوگ نہایت ڈھٹائی سے کہے جا رہے ہیں۔ بیکس ہیں۔ بے اختیار ہیں۔ بے بس ہیں۔" خداوند تعالےٰ فرماتے ہیں۔ ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں۔ اگر موت پسند نہیں کرتے بلکہ زندہ رہنا چاہتے ہو۔ تو آپ کو اختیار ہے۔ جس چیز کو پسند فرماؤ۔ ہم وہی دیتے ہیں۔ بھلا اس سے بھی بڑھ کر کوئی اختیار متصور ہو سکتا ہے۔ اور ساری کائنات کی تاریخ پڑھ لیجئے۔ کسی بڑے سے بڑے مقرب سے مقرب کو یہ اختیار دیا گیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اور کوئی شخصیت کائنات عالم میں سابقاً یا حالاً آپ کو نظر نہیں آئیگی۔ جس کو اپنی موت و حیات کا اختیار دیا گیا ہو۔ پھر آپ ہیں کہ برابر نعرے کئے جاتے ہیں۔ کہ آپ بے بس ہیں بے اختیار ہیں۔ بے کس ہیں؟ ———— اب نسبت خداوند عالم عموماً کہا جاتا ہے۔ کہ سرکار دو عالم کو نعوذ باللہ) جو بے بس یا بے اختیار کہا گیا۔ یا

تحریر کیا گیا ہے۔ وہ فی ذاتہ بہ نسبت واجب تعالیٰ جلّ و علیٰ ہے ؛ ———

میں عرض کرونگا۔ کہ آپ ذہن میں کچھ رکھیں اس سے ہمیں کچھ غرض نہیں ہیں

غرض حقیقت واقعیہ سے ہے۔ آپ کی نیت کچھ ہو۔ خواہ اس نیت کو آپ واضح

بھی کر دیں۔ تب بھی بے بس و بے کس کا اطلاق حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر واقعات کے

خلاف ہے۔ بلکہ جھوٹ ہے۔ آپ کو خداوند عالم نے کبھی بے بس و بے کس نہیں چھوڑا۔

یوم میثاق سے ہزاروں برس پہلے آپ کی ذات اقدس جسے "نور" کے پاکیزہ

عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اپنے نور سے تخلیق فرمایا۔ میں شروع اور ابتدا کو لیتا

ہوں۔ کہ کیا آپ کی مراد یہ ہے۔ کہ اس تخلیق ازلی کے وقت آپ بے بس یا بے کس

تھے ؟ یہ قطعاً غلط ہے۔ نادرست ہے۔ واقعات کے خلاف ہے۔ اسی زمانے کا

ذکر تو آپ نے بڑی وضاحت سے فرمایا ———

"کنت نبیا و آدم بین الماء والطین"

حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کے مراحل طے کر رہے تھے۔ کہ میں خدا

کا مقرب و با اختیار نبی تھا پیغمبر تھا۔ تاج نبوت سے نوازا گیا تھا۔ اور مجھے باعث تخلیق

عالم قرار دیا گیا تھا۔ تمام انبیاء و اولیاء و دیگر مخلوقات کو فائدہ پہنچانے کی قوت و استعداد

مجھے عطا فرمائی جا چکی تھی۔ اور اسی قوت۔ استعداد و عطا کے تاثر سے۔

اٹھارہ ہزار عالم کی تخلیق ہوئی۔ تو کیا آپ کے خیال میں اس وقت بے اختیار تھے

بے بس تھے ؟ عجیب عقل ہے ۔ تدبر ہے ! جسے خداوند تعالےٰ نے

یہ اختیار دے کر اعلان فرمایا۔ کہ یہ سارا نظام تخلیق آپ کے طفیل ہے۔ آپ کا محتاج ہے۔ تو آپ ہی بتایئے۔ بے بس بے اختیار اسی کو کہتے ہیں۔

آگے چلیئے۔ تخلیق عالم ہو گئی۔ تو آپ کے خیال میں یہ ہو کہ شاید آپ کو بعد تخلیق بے اختیار و بے بس کر دیا ہو۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تخلیق کے بعد سب سے بڑا حادثہ یہ ہوا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہو گئی اور وہ جنت سے نکالے گئے۔ ہماری نہ مانو۔ اپنے مجدد جناب تھانوی صاحب کی تحقیقات کو پڑھیئے۔ کہ ان کی توبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہوئی۔ تو کیا جو ذات ابو البشر کی معافی کا باعث ہوتی ہے۔ اسے بے بس یا بے کس کہا جا سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مختصر سا اقتباس جناب اشرف علی صاحب تھانوی کا نقل کر دوں۔ کیونکہ ان کی تحریر سے انکار ذرا مشکل ہو جائیگا۔ وہو ہذا:۔

برکات نور حضور۔

اس آیت میں ایمان اور اعمال کا ثمرہ مذکور ہے۔ اور ایمان و اعمال صالحہ وجود باجود محمدی کے ثمرات ہیں۔ تو یہ ثمرات بھی جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ حقیقت میں حضور ہی کے وجود باجود و نور مزیور السرور کے ثمرات ہیں۔ تو یہ ثمرات تو ان کو دوسرے دلائل کے ساتھ منضم کرنے سے حضور کے نور مبارک کی برکات سے دو قسم پر معلوم ہوئیں۔ ایک صوری جو کہ اشیاء کے وجود و ظہور کے متعلق ہیں۔ دوسری معنوی جو ان اشیاء میں سے خاص اہل ایمان کے صدور کے متعلق ہیں۔

ظہور کے متعلق تو آپ کے نور مبارک کی برکت یہ ہے۔ کہ تمام عالم کا وجود آپ کے نور سے ہوا۔ اور لوگ اسی کو آج کل زیادہ بیان کرتے ہیں۔ صدور کے متعلق آپ کی برکات یہ ہیں۔ کہ ایمان و معرفت الٰہی سب کو حضور ہی کے واسطہ سے حاصل ہوئی۔ ان برکات کو لوگ آج کل بیان ہی نہیں کرتے۔ بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے۔ کیونکہ جو اثر آپ کے نور کا ظہور کے متعلق ہے۔ اس کے آثار تو محسوس ہیں۔ اور یہ جو اثر صادر ہے کے متعلق ہے۔ اس کے آثار یعنی خاص ثمرات مقصودہ وہ قیامت و جنت میں معلوم ہونگے۔ اور یہاں ان سے ذہول ہے۔ نیز وہ رتبہ میں بھی اعظم ہیں۔ اسی لئے زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے۔ اور اعظم ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ظہور پر تو صرف اسی قدر اثر ہوا۔ کہ ہم موجود ہوگئے۔ مگر صرف موجود ہو جانے سے کچھ زیادہ فضیلت نہیں حاصل ہو سکتی۔ پوری فضیلت ایمان و معرفت الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر شرف ہے۔

تیسرے یہ جو اثرات نور مبارک کے ظہور پذیر ہوئے۔ وہ متناہی اور محدود ہیں۔ کیونکہ موجودات اپنی ذات کے اعتبار سے متناہی ہیں۔ اور صدور پر جو اثر ہوا۔ وہ غیر متناہی ہے۔ کیونکہ معرفت الٰہی کے مراتب اور ان کے ثمرات غیر متناہی ہیں۔ جو ہم کو جنت میں نصیب ہونگے۔ بس آپ کے نور مبارک کے وہ برکات زیادہ بیان کرنے کے قابل ہیں۔ جو صدور پر متعلق ہیں۔ اس آیت شریفہ میں انہیں ثمرات

کا ذکر ہے۔ مگر یہ ثمرات اس آیت کے آخر میں مذکور ہیں۔ اور ایک ثمرہ آپ کے تبرکات متعلقہ صدور کا اس آیت کے شروع میں ہی مذکور ہے۔ جو عجیب ثمرہ ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون۔

قیامت جب قائم ہوگی تو لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔

یہ جدا جدا ہونا بھی حضور ہی کے نور مبارک کا ایک ثمرہ ہے۔ کیونکہ ایمان معرفت و اعمال صالحہ کا حصول آپ کی برکت سے ہوا۔ اور ایمان و اعمال صالحہ ہی کی وجہ سے مخلوق کے دو فرقے ہو گئے۔ بعض مومن بعض کافر۔ تو اس تفریق کا اصل منشا بھی نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس تفریق کے ظاہر کرنے کے لئے قیامت قائم ہوگی۔ تو در اصل حقیقی قیامت آپ ہی کی ذات ہے۔ اور عرفی قیامت اس کا ایک اثر اور ثمرہ۔ اسی کو مولانا نے مثنوی میں ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے۔

صد قیامت بود احمدؐ در جہان

(مواعظ اشرفیہ۔ میلاد النبی ص ۵۰۱)

آپ اپنے مجدد حکیم الامت صاحب کی اس عبارت کو غور سے پڑھئے۔ بار بار پڑھئے۔ کہ کیا حضور پاک (نعوذ باللہ) بے بس و بے کس ہیں۔ یا ساری کائنات کے آقا۔

یہ برکات۔ یہ فضلیت۔ یہ قدرت۔ یہ اقتدار ذات احمد صلے اللہ علیہ وسلم

کو حاصل ہے جسے آپ جامہ بشریت کے مقابلہ میں مفضول و فروتر قرار دے سکتے ہیں۔

اور جسمی و بشری جامہ جو فی ذاتہ ایک کثیف مادہ ہے گو سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی لاکھوں انوار سے اعلیٰ و برتر کا ارفع اور بلند کر دیا ہے ؎

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حقیقت میں تو وہی ذات ہے۔ جسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی لاکھوں یا کروڑوں برس پہلے ذات احد کے نور سے تخلیق ہوئی۔ اور اس کا نام و تسمیہ نور ہی کا تجویز کیا گیا۔ معمورہ کا بھی نام و نشان ہی نہ تھا۔ ہزاروں برس کے بعد عناصر کے اجزاء کی تخلیق ہوئی۔ اور ان میں مختلف خواص بھرے گئے۔ ان کو جمع کیا۔ مٹی کو گوندھا گیا۔ اور اس کا خمیر اٹھایا گیا۔ اور اس کی مرضی مٹی کا پتلا بنا۔ خشک ہوا۔ کھنکھن کرنے لگا۔ اور اس میں روح پھونکی گئی۔ جن اس سے بھی پہلے آگ کے شعلے سے پیدا کئے جا چکے تھے۔ اور جب حضرت آدم کی بنی آدم کی پیدائش کے معاملہ میں جنوں کے لیڈر ابلیس کے سامنے یہ ہوئے سے مٹی۔ پھر اس کا گلنا۔ خمیر اٹھنا۔ پھر اس کا پتلا بننا۔ یہ سب چیزیں بیہودہ تھیں۔ جن میں بڑی سرگرمی کشش نہیں تھی۔ بلکہ اس کو حقیر سمجھا جانے کا مواد موجود تھا۔ جب اس میں روح پھونکی گئی تو حکم ہوا کہ اسے سجدہ کرو۔

اس تخلیق و ترتیب سے بہت پہلے جب کہ ارادہ ازلی اپنا فیصلہ دے چکا تھا۔ ملائکہ کو معلوم ہوا۔ تو اپنے ملک و خالق کے ساتھ دائرہ ادب و احترام کے اندر رہ کر مناظرہ کر چکے تھے۔ اور کسی قدر تفصیلات سے بھی انہیں آگاہ کر دیا گیا تھا۔ اور اس کے اصلی و حقیقی منصب سے وہ باخبر ہو چکے تھے۔ بغیر کسی چوں و حجت کے تسلیم و تعمیل سے سرخرو ہوئے۔ لیکن بیچارہ ابلیس جو مٹی کے گلنے سڑنے۔ پتلے کے گھڑنے کے مراحل دیکھ چکا تھا۔ اور اس کے دل میں گلی سڑی مٹی کے متعلق نفرت و حقارت کے جذبات جنم لے چکے تھے۔ اس نے حقائق کی گہرائی پر غور کئے بغیر انکار کر دیا۔ اور استدلال عقلی پر اتر آیا۔ اس نے عقلی استدلال سے تو کام لیا۔ لیکن حقائق کی طرف سے آنکھیں موند لیں۔ اور اس دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔ جس کی طرف ترجمان فطرت حضرت مولانا رومؒ نے اشارہ کیا ہے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اس نے گلی سڑی ابھری ہوئی مٹی ہی دیکھی تھی۔ جو تر رہنے کے باعث بظاہر حقیر معلوم ہوتی تھی: —— اس کے مقابلہ میں اپنی تخلیق کو بہتر و برتر خیال کیا۔ جو کہ آگ کے چمکتے ہوئے شفاف اور منور شعلے سے ہوئی تھی۔ اس نے نہ تو ارادہ ازلی کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور نہ اس فلسفے کو سمجھا۔ جو ارادہ ازلی کو قبول و پسند تھا۔ کہ اس کے ہاں متواضع ہی کامیاب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ان

عناصر اور گلی سڑی مٹی کی ظاہری شکل و صورت پر اس کی نظر تھی۔ اور
اسے علم نہیں تھا۔ کہ اس گلی سڑی اور بظاہر حقیر و قابل نفرت مٹی و دیگر عناصر
جو بذاتہ کثیف اور بے مایہ و بے قیمت ہیں۔ ان کی نسبت اس پاک و مقدس
اعلیٰ و برتر۔ ذی شان و ذی شوکت ذات سے ہونے والی ہے۔ اور ان کا
رابطہ و تعلق باعث کون و مکان، باعث خلقت انس و جان سے ہونے والا ہے۔

حقیقی فلسفہ

اصل فلسفہ یہ ہے کہ جامۂ بشریت نے خدا کے محبوب و مقبول کی شان میں
کوئی اضافہ نہیں کیا۔ بلکہ اس ذات والاصفات کے تعلق سے بشریت و انسانیت
کا بول بالا ہو گیا۔ اور کثیف۔ لطیف پر فائق ہوا۔ کثافت۔ لطافت پر غالب
آگئی۔ میں عنقریب۔ بشریت و نور پر ایک سیر حاصل تبصرہ کرونگا۔ اور امید واثق ہے
کہ اہل فہم و شعور حضرات اسے توجہ اور غور سے پڑھیں گے۔ تو ان کی غلط فہمیاں
دور ہو جائینگی۔ ابھی تو میں بعض حضرات کے زباں زد فقرہ پر بحث کر رہا ہوں۔ کہ حقائق و
دلائل کی روشنی میں کس حد تک انہیں حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ سرائے
عالم فقرہ یا عبارت یہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم

"ایک بے اختیار و بے بس بندہ ہیں"

جامۂ بشریت زیب تن فرمانے سے پہلے زمانہ و دور تو ایسا ہے۔ کہ آپ بے بس و
بے اختیار قرار نہیں دیئے جا سکتے جیسا کہ بالتفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

جامۂ بشریت کے بعد

ممکن ہے ایسا گمان کرنے والوں کا مقصد اس زمانہ سے ہو۔ جو آپ کی ولادت کا ہے۔ اور عموماً ہر ذی حیات اس وقت بے اختیار و بے بس ہوتا ہے۔ لیکن ہم جب اس زمانہ کا تاریخ کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں آپ کا یہ زمانہ بھی نرالا اور نوع بشریت سے ایک نرالی شان کا حامل نظر آتا ہے۔ اور دنیا ایک گونہ ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ کہ یہ نومولود تو ایک نرالی اور حیرت انگیز شان لے کر عالم ناسوت میں تشریف لایا ہے۔

روایات میں آتا ہے۔ کہ آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم جب ابتداءً اس عالم ناسوت میں تشریف لائے تو ایک ایسا شعلۂ نور بلند ہوا۔ جس کی ضیاء و روشنی نے دنیا کے کناروں تک کو روشن کر دیا اور قیصر و کسریٰ کے ایوان و محلات کے کنگرے گر گئے۔

فرمائیے۔ یہ ایک بے بس و بے اختیار کی آمد تھی۔ یا شہنشاہ دو عالم کی؟ بحث تو تھی۔ نور یا بشر کی انفیت پر، لیکن درمیان میں وہ ایک ایسا فقرہ کہہ گئے۔ جس نے میرا بہت سا وقت لے لیا۔ اور ضرورت بھی تھی کہ اس فقرہ کے صریح غلط اور گستاخانہ ہونے کی نشان دہی کی جائے۔ اب میں عنوان زیر بحث کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ باللہ التوفیق؛

"افضیلت بشر"

اس عنوان کے تحت مصنف "رسالہ بشریۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ص۲۲"
پر تحریر کرتے ہیں :-

بشر یہ سمجھتا ہے - کہ بشر ایک نوع حقیر اور نور جنس شریف ہے - جب ا...
کا ذہن یہ ہے - کہ انسان نور سے پست اور فروتر ہے - تو پھر اس سے لازمی طور پ...
خیال پیدا ہوگا - کہ حضور نور ہیں - بشر نہیں - کیونکہ حضور بالیقین اللہ کی ساری مخ...
سے افضل و اعلیٰ ہیں - ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر نور، بشر سے اشرف و اکرم ہے - تو حضور کو بشر نہیں کہنا چاہئے
نور کہنا ہوگا - اور اگر بشر، نور سے برتر و افضل ہے - تو حضور کو نور، نہیں ماننا ہو...
بشر، ماننا پڑیگا -

تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر - اس بحث سے پیشتر یہ بحث کر لی...
چاہئے - کہ خلق خدا میں نور - افضل ہے - یا بشر - تخلیقات ربانی کا شاہکار ...
ہے - یا کوئی اور (بلفظہا مصنف نے بنیاد ہی ایک بے اصل نظریہ پر رکھی - ج...
کا کوئی قائل و معتقد نہیں - وہ یہ کہ حضور نور ہیں - بشر نہیں - یا بشر ہیں نور نہیں
اور رسالہ بقا صفحہ پر لکھ آئے ہیں - کہ آپ نور بھی ہیں اور بشر، بھی مان دونوں ...

کوئی تضاد یا تخالف نہیں ۔ اور آپ سارے مسئلہ کی بنیاد ہی تضاد و تخالف پر رکھ کر ایک محل تیار کرنا چاہتے ہیں ۔۔ جو یقیناً کھوکھلا، کمزور اور جلد زمین بوس ہو جانے والا ثابت ہوگا ۔ اور میں ابھی چند تمثیلات سے ثابت کر چکا ہوں ۔ کہ مصنف کا یہ معمولی ہو چکا ہے ۔ کہ وہ بہت جلد بھول جاتے ہیں ۔ کہ میں پہلے کیا لکھ آیا ہوں ۔

البتہ ضمناً ایک حل طلب مسئلہ ضرور آگیا ہے ۔ کہ اس پر بحث کی جائے ۔ وہ یہ کہ خداوند عالم کی جملہ مخلوق میں نور، کو اقدمیت و افضلیت ہے ۔ یا بشر، کو لیکن حاشا و کلا ۔ ان میں تضاد ہے نہ تخالف ۔ بلکہ دونوں ایک ذات پہ بولے جا سکتے ہیں ۔ اور دونوں ایک مرکب مسمیٰ کے اسم ہیں ۔ تضاد و تخالف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ اور نہ ہی کوئی تخالف و تضاد کا قائل ہے ۔ نہ معتقد ۔ مصنف مذکور نے اپنی کتاب کے ۹۵ صفحات اس مقصد کے لیئے وقف کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ۔ کہ بشر، نور سے افضل و اقدم ہے ۔

اس لیے حضور بشر، ہیں ۔ نور، نہیں ہیں ۔ حالانکہ وہ اسی کتاب کے شروع میں تسلیم کر چکے ہیں ۔ کہ یہ دونوں ایک ہی ذات کے دو مختلف عنوان ہیں ۔ اور ایک ہی مسمیٰ کے دو مختلف اسم البتہ حیثیات مختلف ہیں ۔

قطعیت

نسی دنوں نے ۔ مقصد ۔ مطلب کو ثابت کرنے کے لیئے ضروری اور اشد ضروری

ہے۔ کہ اس کے دلائل کے جملہ اجزاء و مقدمات۔ صغریٰ و کبریٰ قطعی یقینی ہوں۔ اگر ان میں تشکیک واشتباہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اس حصہ کا نام (کہ اس کا صغریٰ کبریٰ۔ یقینی اور شک وشبہ سے بالا ہو) قطعی الثبوت ہے۔ گویا وہ استدلال جس سے دعوے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس کا صغریٰ کبریٰ۔ یقینی اور شک وشبہ سے بلند و بالا ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ قطعی الادلالۃ ہو۔ یعنی دعوے اور استدلال میں ایسی یقینی مطابقت ہو۔ کہ اس میں بھی تشکیک واشتباہ کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔ ان دو امور کے بغیر اہل علم کے نزدیک دعوے قابل قبول نہیں۔

ایک یہ کہ استدلال قطعی الثبوت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ استدلال قطعی الادلالۃ ہو۔ مصنف نے جو استدلال کیا ہے۔ وہ قرآن و حدیث سے ہے۔ تو اس کے قطعی الثبوت ہونے میں کون کافر انکار کر سکتا ہے۔ اور دوسرا حصہ یعنی قطعی الادلالۃ۔ یہ محل نظر ہے۔ کہ آیا یہ استدلال دعوے سے مطابقت رکھتا ہے اور اس دعوے کو ثابت کرنے میں شک وشبہ سے بالا ہے۔ اور کیا آیات کا جو مفہوم بیان کیا ہے۔ وہ حرف آخر ہے۔ اس میں کسی معقول و مبنی بر حقیقت تاویل و تشریح کی گنجائش نہیں۔ اور کیا اکابر علماء نے ان آیات و احادیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ جن پر مصنف نے اپنے دعوے کی بنیاد رکھی ہے۔ اور کیا اس کے مقابل کوئی دوسرا قطعی الثبوت و قطعی الادلالۃ استدلال تو موجود نہیں۔ جس کی

وجہ سے مصنف کے بیان کردہ مفہوم کی تاویل ۔ وتشریح ۔ واجب ضروری اور لازمی ہوجائے ۔ یہ اب ہمارے ذمہ ہے ۔ کہ ان تمام امور کا اسلامی مزاج ۔ قرآنی مقتضیات کے مطابق جائزہ لیں ۔ تاکہ حق وصداقت کھل کر سامنے آجائے اور غلط فہمی و مغالطہ کا کھوج لگایا جاسکے ۔ اور کوئی گوشہ مضمر و مستتر نہ رہے ۔ وباللہ التوفیق ۔

جاننا چاہیئے ۔ کہ انسان ۔ بشر ۔ آدمی ۔ اور نفس ہم معنے و مترادف الفاظ ہیں ۔ ان سب کا عنوان مختلف ہے ۔ لیکن مُعنون ۔ مدلول و مفہوم ایک ہے ۔ البتہ نفس ، موقع محل کے اعتبار سے انسان کے کسی مخصوص حصے یا جزو کی ترجمانی بھی کرتا ہے ۔ ان النفس لامارۃ بالسوء ۔ اور ان اجزاء کے خواص وصفات مل کر اس کی تکمیل کرتے ہیں ۔ اگر اجزاء میں کوئی نقص ہے ۔ تو کل اس نقص سے نہیں بچ سکتا جب تک کہ کوئی دوسرا جزو اس نقص کا جبر نقصان نہ کرے ۔ عموماً ایسا ہوتا ہے ۔ کہ ایک جزو میں تو کمی اور کمزوری ہوتی ہے ۔ لیکن ایک دوسرے جزو کی ترکیب سے وہ کمی پوری ہوجاتی ہے ۔ بہر حال مرکب میں کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوسکتا جس سے اس کے جو اجزاء یکسر خالی و عاری ہوں ۔ یہ تو ہوسکتا ہے ۔ کہ اجزاء میں کوئی ایسی خفتہ استعداد موجود ہو ۔ جو بحیثیت تفرد اور اکیلا ہونے کے معدوم و مستور متصور ہو ۔ اور دوسرے اجزاء کے ملنے سے وہ خفتہ استعداد بیدار ہو جائے ۔ احساس مرکب کے اثرات غیر معمولی شکل میں سامنے آجائیں ۔ لیکن یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اجزاء میں تو قطعی ظاہرہ پوشیدہ وصف یا استعداد موجود نہ ہو

اور متعدد اجزاء کے صرف جوڑنے سے کوئی غیر معمولی طاقت ان میں آ جائے۔ اس تمہید کے بعد ہم انسان کے اجزاء ترکیبی کا جائزہ لیتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ کن اجزاء سے اسے جنم دیا گیا ہے۔ اور ان اجزاء میں سے کونسے جزو کو افضلیت۔ اقدمیت اہمیت دی جاسکتی ہے۔ اگر ہم اس تجزیہ میں کسی قطعی نتیجہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔ جس کے سامنے کوئی دوسرا احتمال قابل اعتناء و اعتبار نہ ہے اور وہ نتیجہ ایسا یقینی ہو۔ کہ اگر اس کی مخالفت میں کوئی بڑے سے بڑا استدلال بھی موجود ہو تو اسے قابل تاویل و تشریح سمجھا جائے۔ اور وہ ہمارا اخذ کردہ نتیجہ اپنی جگہ قائم رہا۔ تو سمجھا جائیگا۔ کہ اب اصل مسئلہ حل ہو چکا۔ اور جو استدلال اس کے مخالف پڑتا ہے۔ وہ قابل تاویل و تشریح ہے۔ خواہ وہ آیات قرآنی ہوں۔ یا احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

کسی ترکیب کے اجزاء میں افضلیت کا آخری و قطعی معیار یہ ہے۔ کہ جب اس مرکب کے اجزاء کی ترکیب کو توڑ کر ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے۔ اور ان میں جو رابطہ ہے۔ اسے منقطع کر دیا جائے۔ تو جو جزو بیکار محض ہو کر رہ جائے۔ یعنی اس معاملہ میں جو اوصاف مرکب میں پائے جاتے ہیں۔ اس انقطاع کے بعد وہ جزو ان اوصاف سے یکسر خالی ہو جائے۔ اور دوسرے جزو میں وہ اوصاف تمام ہا موجود ہوں۔ اور ان سے پورا کام لیا جاسکے۔ یا وہ جزو اس کام کے قابل ہو۔ جو کہ مرکب ہونے کی صورت میں اس کے اندر وہ تاثیر و استعداد موجود تھی۔ بعینہ

ترکیب توڑنے کے بعد بھی ویسی ہی پُرتاثیر اور موصوف باوصاف متعددہ ہو۔ تو واضح سمجھا جائیگا۔ کہ اس مرکب میں اصل اہمیت و افضلیت اس جزو کو حاصل تھی۔ جو اب انقطاع کے بعد بھی کارآمد ہے۔ اور وہ دوسرا جزو جو حالت ترکیب میں یقیناً کارآمد تھا۔ کیونکہ اگر وہ بیکار محض ہوتا۔ تو ایک عقلمند اسے ترکیب کیوں دیتا۔ لیکن انقطاع کے بعد اب وہ بیکار محض ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دوسرے جزو کی رفاقت سے اس میں کچھ جزوی تاثیرات باوجود انقطاع کے موجود ہوں۔ لیکن فرض کرو وہ اس دوسرے باثر جزو کی تاثیر دُھن سے یکسر بالکلیہ خالی کردیا جائے۔ تو وہ بیکار محض ہو جائے۔

تو ایسی حالت میں ایک عقلمند ذی شعور کو فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ اس مرکب میں افضلیت۔ اقدمیت۔ اولیت کس جزو کو حاصل ہے ظاہر ہے۔ وہی جزو افضل ہے۔ اولیٰ ہے۔ اقدم ہے۔ جو بعد انقطاع بھی کارآمد ہے۔ اور جو انقطاع کے بعد بیکار محض ہو چکا ہے۔ اس پہلے کے مقابلہ میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

اب ہمیں تجزیہ کرکے معلوم کرنا ہے۔ کہ صانع حقیقی نے حضرت انسان۔ یا دوسرے لفظوں میں "بشر" و "آدمی" کو کن اجزاء سے ترکیب دیا ہے۔ اور ان اجزاء کی قبل ترکیب کیا حیثیت تھی۔ اور ترکیب کے بعد اس نے کون سے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اور جب ان اجزاء ترکیبی کا رابطہ و تعلق منقطع کیا جائیگا۔ تو ان

کی کیا حیثیت ہو گی۔ اور ان میں سے کونسا جزو بیکار ہو کر رہ جائیگا۔ اور کون سا جزو اب بھی کار آمد اور سود مند ہے۔ یہ سارا معاملہ ہم نے قرآن مجید سے دریافت کرنا ہے۔

اور قرآن کے بیان کردہ اصولوں پر اس کی ترکیب و انقطاع کا مطالعہ کرنا ہے۔ حضرت انسان۔ ابو البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق و ترکیب کا مسئلہ قرآن مجید نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے:

اس وقت قرآن مجید پارہ ۱۴ رکوع ۳ کی آیت ۲۶ میرے سامنے ہے۔

لقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون ٥ والجان خلقنا من قبل من نار السموم ٥ واذ قال ربك للملئكة انى خالق بشرا من صلصال من حما مسنون۔ فاذا سويته ونفخت فيه من روحى فقعوا له سجدين ٥

پارہ ۱۴ - رکوع سورۃ الحجر ۱

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق پیدا کیا۔ ہم نے آدمی کو بجنے والی مٹی سے جو بنی تھی کیچڑ سڑی ہوئی سے اور جنوں کو پیدا کیا ہم نے ان کو پہلے اس سے آگ لوؤں کی سے اور جب کہا پروردگار تیرے نے واسطے فرشتوں کے تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں۔ آدمی کو بجنے والی مٹی سے جو بنی تھی کیچڑ سڑی ہوئی سے پس جب درست کروں میں اس کو اور پھونک دوں بیچ اس کے روح اپنی سے گر پڑو واسطے اس کے سجدہ کرتے ہوئے۔ قرآن مجید نے بغیر کسی ابہام کے واضح طور پر بتا دیا کہ انسانی ترکیب کے اجزا ترکیبی کیا

ہیں۔ یہ تخلیق و ترکیب ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ وہ اجزاء کیا ہیں۔ ایک ان میں صلصال ہے۔ اور صلصال وہ مخصوص مٹی ہے۔ جو اپنے بھلے خاصے عمل کے بعد وجود پذیر ہوتی ہے۔ جیسے کہ سادہ مٹی کو پانی میں بھگو دیا جائے۔ اور اتنے دنوں تک بھگو کر رکھا جائے۔ کہ گل سڑ جائے۔ اور اس کا خمیر اُبھر آئے۔ خمیر ابھرنے کے بعد خاص عمل کے ساتھ اس کی اصلاح کی جائے۔ اور سادہ مٹی میں جو ناقص اجزاء موجود ہوتے ہیں۔ انہیں عمدہ مٹی کے اجزاء سے اس طرح مخلوط و مربوط کیا جائے۔ کہ اس میں جو عمدہ اجزاء ہیں۔ ان کی خاصیت کو اُجاگر کر کے ناقص اجزاء کو ان کے تابع کر دیا جائے۔ تاکہ وہ یکسوئی اختیار کریں۔ اور ان کا نقص قطعی دب کر ایک حد تک بے وقعت ہو کر رہ جائے۔ اور اس اصلاح یافتہ حالت میں نقص کا کوئی نام نشان نہ رہ جائے۔ اس کے بعد جب یہ مٹی صحیح طور پر اصلاح یافتہ ہو کر آخری صورت پکڑ لے۔ اور عمدہ اجزاء کا اس انداز میں غلبہ ہو جائے۔ کہ گویا ناقص اجزاء معدوم ہو جائیں۔ اس کے بعد جو ڈھانچہ یا وہ چیز جو مقصود ہو بنائی جائے۔ اور اسے دھوپ میں اس احتیاط سے رکھا جائے۔ کہ مطلوبہ سانچے اور ڈھلے میں کوئی غلط چیز اثر انداز نہ ہو۔ اور مناسب و صحیح و درست غیر مضر سورج کی گرمی سے اس کی نمی کو خشک کیا جائے۔ اور صحیح و سالم شکل و شباہت میں جب وہ ڈھانچہ یا پتلا صحیح طور پر تیار ہو کر اس میں وہ مخصوص آثار پیدا ہو جائے۔ جو عام حالت میں عام طور پر مٹی میں نہیں ہوتی۔ اور وہ مٹی جس کے ساتھ یہ مخصوص عمل کیا گیا ہو۔

اور خشکی کے بعد اس میں مخصوص آواز پیدا ہو چکی ہو۔ اسے صلصال کہتے ہیں۔ جو کمہار کے بے شمار تھپیڑوں کے بعد تیار ہوتی ہے۔

جیسا کہ مثلاً آٹے میں سوڈا ملا دیا جائے۔ تو خمیر ابھر آتا ہے۔ لیکن اس خمیر کی روٹی نہ تو صورت و شکل میں ڈبل روٹی کے مطابق و موافق ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس کی لذت ذائقہ اس سے کوئی مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن آٹا خمیر کرنے کے بعد بیکر اس خمیر یافتہ آٹے کی مخصوص انداز میں مزید اصلاح کرتا ہے۔ اور ایک میز پر جس کے اوپر نہایت صاف و شفاف کسی دھات کی چادر چڑھی ہوتی ہے۔ اس آٹا کو اس میز پر رکھ کر اپنے پنجے کی مٹھی بنا کر اس آٹے کو زور زور سے چوٹیں لگاتا ہے۔ اور اس عمل میں اسے اتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ کہ کڑاکے کی سردی میں اسے پسینہ آ جاتا ہے۔ اور بڑی جد و جہد اور مخصوص فن میں مہارت رکھنے والے کاریگر اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

اور اسی طرح ہر مٹی سے جسے بھگو دیا گیا ہو۔ عمدہ برتن تیار نہیں ہوتا جب تک کہ مٹی کو جو عمدہ اور منتخب ہوتی ہے۔ ایک معین عرصہ کے لئے بھگو نہ دیا جائے اس مدت کے بعد ماہر فن کمہار اسکی اپنے مخصوص فن کی مدد سے اصلاح کرتا ہے اور بڑی محنت اور عمل کثیر کے بعد (جسے ماہر فن ہی جان سکتا ہے) اسے برتن کی تیاری کے قابل بناتا ہے۔ صلصال من حما مسنون کی یہ مختصر تفسیر و تشریح ہے۔ جسے بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

تو گویا صلصال میں یہ اجزا شامل ہیں۔ جن کے مخصوص عمل کے بعد وہ تیار ہوتا ہے۔

مٹی۔ پانی۔ گرمی۔ کاریگر ماہر فن کا انتہائی صبر آزما عمل۔ سَوَّیْتُہٗ۔ یہ ایک الگ چیز ہے۔ جو صلصال کے سلفہ معجزنما مشینری کی ساخت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی مٹی کو پانی میں بھگونے۔ خمیر اٹھانے۔ اور اس کی اصلاح کے بعد صلصال کا ایک ٹھوس مٹی کے ٹکڑے پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سوّیتہ سے ایک دوسری فنکاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یوں سمجھو۔ کہ لوہے کو بھٹی میں ڈال کر غل وغش وردی اجزاء سے صاف ستھرا کرکے اصلاح یافتہ اور خالص کر دیا جائے۔ تو صرف اتنے عمل سے وہ مشینری کا کام نہیں دیتا۔ جب کہ ایک دوسرا ماہر فن کی مدد سے اس کا ایک مخصوص ڈھانچہ بنا کر اور چھوٹے چھوٹے پرزے الگ تیار کرکے انہیں اس مخصوص ڈھانچے کے اندر مناسب مقامات پر فٹ اور درست نہ کرے۔ صاف ستھرے لوہے پر یہ الگ اور نیا عمل ہوگا۔ سوّیتہ اس مخصوص عمل کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت نے انسانی اجزاء کی تفصیلات اور ڈھانچہ تیار کرنے کے اندر اس کی مختلف کلیں دماغ دل وغیرہ جیسے اور ان کے اعضاء متحرکہ اور وہ اجزاء جن میں مختلف استعدادیں اور قوتیں ودیعت فرما رکھی ہیں۔ پورا پورا اشارہ کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ انسان کے چار ترکیبی یہ ہیں۔ مٹی اور اسے "صلصال" بنانے میں جن چیزوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً مٹی۔ اور پانی اور گرمی۔ اور اس کے بعد نفخ روح۔ تو خلاصہ یہ کہ مٹی صلصال شدہ اور "روح" ـــ یہ دو جزء ہیں

جن سے انسانی نوع کی ترکیب ہوئی۔ یہ صنعت۔ یہ ترکیب۔ یہ بناوٹ تو ہے۔ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی۔ ان کی اولاد و ذریت میں کچھ تبدیلی کر دی گئی۔ لیکن اصل مادہ جوں کا توں قائم ہے۔ قدرت کو ایک خاص نظام مقصود تھا۔ اور افراد میں ایک ادتباط قائم رکھنا زیر تجویز۔ اس لئے توالد۔ تناسل۔ نر۔ مادہ مخصوص انداز زندگی و دیگر مخصوص حکمتوں کے پیش نظر ضرورت کے مطابق تبدیلی کر دی۔ لیکن بنیادی اجزاء میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی: ——————

یعنی مخصوص مٹی اور روح

تفصیلات تو بعد میں مذکور ہونگی۔ کہ مٹی کو اہمیت دی گئی ہے۔ یا کہ روح کو جس کا دوسرا نام نور ہے۔ یہاں مٹی کے متعلق تو ارشاد ہوتا ہے۔

من صلصال من حما مسنون۔

گلی سڑی کھنکھناتی: —————— اور دوسرے جزو یعنی "روح" جس کی تعبیر نور سے بھی کی جاتی ہے —————— فرمایا۔

نفخت فیہ من روحہ۔ فقعوالہ ساجدین

روح کی نسبت اپنی طرف فرما کر "من روحی" سے تعبیر فرمایا۔ اور ساتھ ہی متصلاً فرمایا۔ سب فرشتے سجدے میں گر پڑے۔ یہ سب الفاظ احترام و اکرام کے ہیں۔ جو پہلے جزو میں نہیں تھے: ——————

صلصال من حما مسنون۔ گلی سڑی مٹی

اندازِ تعبیر پر غور کیا جائے۔ یہاں واضح اور غیر مبہم طور پر دوسرے جزو یعنی روح جس کو "نفس" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عزت ہے۔ احترام ہے۔ تکریم ہے۔ بہرحال میں ابھی صرف اجزاء ترکیبی کا تجزیہ کر رہا ہوں۔ تفصیلات کا انتظار کیجئے۔

ابوالبشر کی پیدائش تو مذکور ہو چکی اور اس کے دو اجزاء ترکیبی بھی مذکورہ بالا آیت میں واضح ہو گئے۔ اس کے بعد آنے والی نسل میں یوں تبدیلی ہوئی۔ کہ حضرت حوّا سلام اللہ علیہا کو بائیں پسلی سے تخلیق فرما کر حضرت ابوالبشرؑ کے لئے رفیق و مونس بنا دیا۔ اور ان سے پانی کا قطرہ حضرت حوّا سلام اللہ علیہا کے رحم میں منتقل فرما کر ایک معین مدت کے بعد سے بشرٍ سویًّا کا جامہ دے کر ایک طویل سلسلہ تناسل جاری فرمایا۔ اور ایک مذکر کی پشت سے قطرہ آب مادہ کے رحم میں منتقل فرما کر معین مدت کے بعد بشراً سویًّا کو دوام عطا فرمایا۔

حضرت ابوالبشر سلام اللہ علیہ میں " صلصال من حماٍ مسنون " کے قائم مقام قطرہ آب کو قرار دیا اور " نفخت من روحی " کو بدستور جوں کا توں قائم و دائم رکھا۔ اور یہاں بھی انسان کے اجزاء ترکیبی دو ہی قرار دیئے۔ اور یہاں بھی صلصال کا مقام حاصل کرنے والے قطرہ آب کو یونہی اسی انداز سے تعبیر کیا جیسا کہ حضرت ابوالبشر میں صلصال سے تعبیر کیا تھا۔

ارشاد ہوتا ہے :-

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ - مِمَّ خُلِقَ - خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ

الترائب ٥ سورہ طارق پارہ ۳۰۔

ترجمہ۔ اب دیکھ لے آدمی۔ کاہے سے بنا۔ بنا ایک اچھلتے پانی سے۔ جو نکلتا ہے
پیٹھ اور چھاتی کے بیچ سے۔ (ترجمہ۔ شاہ عبدالقادر)

غور کیا جائے۔ تو یہاں بھی اس جزو کا تذکرہ کچھ زیادہ احترام سے نہیں کیا۔
اور اسی طرح سورہ دہر میں یوں ارشاد فرمایا۔

انا خلقنا الانسان من نطفۃٍ امشاج ۔ نبتلیہ فجعلناہ سمیعاً
بصیراً ۔ سورہ دہر پارہ ۲۹۔

ترجمہ:۔ ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کیا۔ آزمائش کے لئے۔ پھر اس کو
پھونک کر، سننے دیکھنے والا بنا دیا۔ اس سے بھی واضح سورۂ مرسلات میں
انسانی پیدائش کا تذکرہ فرمایا

الم نخلقکم من ماءٍ مھینٍ ٥ فجعلناہ فی قرارٍ مکین ٥ الی قدرٍ
معلوم ٥ فقدرنا فنعم القادرون

ترجمہ:۔ کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے رکھا اسے ایک ٹھراؤ میں
ایک وعدہ مقررہ تک پھر ہم کر سکے سو کیا خوب سکت والے ہیں۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر)

یہاں بھی اس جزو کا تذکرہ کچھ زیادہ احترام سے نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کی کمزوری
اور خفت کا احساس دلایا گیا ہے۔ لیکن اس مرکب کا دوسرا جزو۔ یعنی صرف جسے نور
سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر نہایت احترام اور ادب و آداب سے کیا ہے۔

قرآن مجید نے سورہ مومنون میں اس سے بھی زیادہ تشریح اور تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ولقد خلقنا الانسان من سللة من طين ۝ ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین۔ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأناه خلقا آخر ط فتبارک الله احسن الخالقین۔

پارہ ۱۸ سورہ مومنون۔ رکوع ۱

ترجمہ۔ اور تحقیق پیدا کیا ہم نے آدمی کو سنی ہوئی یعنی بھتی مٹی سے۔ پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک قطرہ منی کا بیچ جگہ مضبوط کے پھر پیدا کیا ہم نے منی کو لہو جما ہوا۔ پس پیدا کیا ہم نے لہو جمے ہوئے کو بوٹی گوشت کی۔ پس پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں پھر پہنا دیا ہم نے ہڈیوں کو گوشت۔ پھر پیدا کیا ہم نے اس کو پیدائش اور پس بہت برکت والا ہے۔ اللہ بہتر پیدا کرنے والوں کا (ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی)

ان آیات میں انسانی پیدائش کی پوری تفصیل بیان فرما دی گئی ہے۔ اور انسان کو اپنی پیدائش میں جتنے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ ان کا پورا پورا تذکرہ اور تفصیلات بیان کر دی گئی ہے۔ اور روز روشن کی طرح یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے۔ کہ نوع انسانی و بشری دو بڑے اجزاء کے ملنے سے عالم وجود میں آئی ہے۔ مٹی منفصل و سلالہ وہ تمام مراحل طے کرنے کے بعد اور اسے منفصال کی صورت اختیار کرنے تک جن دوسری اشیاء کو اس میں دخل ہے۔ مثلاً پانی۔ آگ وغیرہ

عناصر اربعہ اور "روح"۔ ان دو اجزاء میں سے پہلا جزو یعنی مٹی صلصال) کثیف ہے۔ ظلماتی ہے۔ اور اور لطافت سے خالی ہے۔ اور دوسرا جزو یعنی روح لطیف ہے۔ نورانی ہے۔ اور اسی طرح پہلا جزو یعنی مٹی صلصال کو بغیر کسی دوسرے جزو کے اتصال و اختلاط کے اہم و مہتم بالشان کام کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ برخلاف دوسرے جزو کے کہ وہ "روح" ہے۔ اسے مٹی کے اختلاط و امتزاج کے بغیر بھی بہت مہتم بالشان کام کے قابل سمجھا گیا۔ اور اس سے توحید و رسالت کا عہد لیا گیا۔ یہ تمام تفصیلات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ "الست بربکم" کا مخاطب روح تھی۔ اور اس مٹی کا ہیولا ابھی تک معرض وجود میں نہیں آیا ہوگا۔ اور اسی طرح رسالت کی تصدیق و تائید کے لئے یوم میثاق میں ارواح کو ہی قابل خطاب سمجھا گیا۔ آدم۔ بشریت و انسانیت کا ابھی تک ڈھانچہ ہی تیار نہیں ہوا تھا۔

اور اسی طرح عالم ناسوت سے جب جانے کے ارادے ہونگے۔ اور عناصر و ارواح کے ارتباط کو ڈھیلا کر دیا جائیگا۔ تو عالم لاہوت میں جسم عنصری کو زیادہ اہمیت نہیں ہوگی۔ .... اور اگر کچھ اہمیت ہوگی۔ تو صرف اسقدر کہ سابقہ رفاقت و انس اور تعلق اور رابطہ کا احترام کیا جائیگا۔ ورنہ اولیت و اقدمیت روح ہی کو حاصل ہوگی۔ جس کا دوسرا نام "نور" ہے۔ اور مقدس ہستیوں کے ارواح کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میرے اسی بیان سے ملتا جلتا مفہوم ہندوستان کی بلند پایہ ہستی (میری مراد اس سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ ہیں) نے بھی نہایت

شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔

فرمان حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ

حضرت مجدد رحمۃ اللہ ہمارے اور مخالف نظریہ رکھنے والے دونوں مکتب فکر کے لئے سند ہیں۔ اتھارٹی ہیں۔ اس لئے کسی نتیجہ پہ پہنچنے کے لئے ان کے نظریات و معتقدات کو بیان کرنے کے لئے ذرا طوالت کی ضرورت ہوگی۔ جیسا کہ آپ کی عادت مبارکہ ہے۔ کہ مسئلہ کو سمجھانے کے لئے پوری عبارتیں نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ و باللہ التوفیق

"مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی"

دفتر اول مترجم اردو از قاضی عالم الدین مرحوم شائع کردہ ملک چنن دین تاجر کتب لاہور میرے پیش نظر ہے۔ تمام اقتباسات بقید صفحہ اسی سے پیش کئے جائیں گے۔

انسانی ترکیب

جاننا چاہیئے۔ کہ انسان مرکب ہے۔ عالم خلق سے جو اس کا ظاہر ہے۔ اور عالم امر سے جو اس کا باطن ہے"

(ص ۵۸۷۔ خط بنام ملا عبدالقادر انبالوی)

عالم خلق سے مراد اربعہ عناصر ۔ اور عالم ارواح کے درمیان قلب بمنزلہ برزخ ہے" ص ۴۹۵

گویا عالم خلق سے مراد عناصر ہیں۔ اور امر سے مراد عالم ارواح ہے (مولف)

اسی طرح حضرت مجدد صاحب ایک دوسرے مقام پہ تحریر فرماتے ہیں ؛ ــــــــــــ

"صوفیہ کا ایک گروہ جو تنزیہہ حق تک پہنچے ہیں۔ اور عرش کے اوپر اس کو معلوم کیا ہے۔ انہوں نے اس تنزیہہ کو تنزیہہ الٰہی جل شانہ تصور کیا ہے اور اس مقام کے علوم و معارف کو علوم غامضہ یعنی پوشیدہ علوم کہا ہے۔ اور استوا کے سر کو اس مقام میں حل کیا ہے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ وہ نور روح کا نور ہے ؛ ــــــــــــ

فقیر کو بھی اسی مقام کے حاصل ہونے کے وقت اس قسم کا اشتباہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ کی عنایت نے اس بھنور سے نکال دیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ نور روح کا نور تھا۔ نہ انوار الٰہی ؛ ــــــــــــ

چونکہ روح لامکانی ہے۔ اور بیچونی و بیچونگی کی صورت میں مخلوق ہے۔ اس لئے اشتباہ کا محل ہو جاتا ہے .... جاننا چاہیئے۔ کہ روح اگرچہ عالم بیچوں کے ساتھ نسبت رکھتا ہے۔ لیکن درحقیقت بیچوں حقیقی جلّ شانہٗ کے مقابلہ میں دائرہ چوں میں داخل ہے۔ گویا عالم چوں اور بارگاہ بیچوں حقیقی کے درمیان برزخ ہے۔ اور دونوں طرف کا رنگ رکھتا ہے۔ اور بہردو اعتبار اس پر صحیح ہیں برخلاف بیچوں حقیقی کے کہ چوں کو ہرگز اس کی طرف راہ نہیں ہے۔ پس جب تک روح کے تمام مقامات سے عروج نہ کریں۔ اس اسم تک نہیں پہنچتے۔ پس اول آسمان سے لے کر عرش تک کے تمام طبقات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور لوازم مکان سے پورے طور پہ نکلنا پڑتا ہے۔ بعد ازاں عالم ارواح کے تمام لامکانی مراتب

کو بھی طے کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس اسم تک پہنچتے ہیں سے

خواجہ پندارد کہ مرد واصل است

حاصل خواجہ بجز پندار نیست ۔۔۔ ۵۹۴ - ۵۹۵

مزید تصریح:۔ ایک دوسرے مقام پہ حضرت اس سے بھی ذرا صراحت سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ——— آپ نے لکھا ہے۔ کہ اس عبارت کی شرح لکھنی چاہیئے۔ کہ:۔ عبد کا مربی روح ہے۔ اور قالب کا مربی قلب۔

میرے مخدوم:۔ ان دو عبارتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ اور وہ انسان کے عالم خلق کو اس کے عالم امر سے ترتیب کرنا ہے۔ اور چونکہ عبد کا لفظ روح کے لفظ کے ساتھ اکثر استعمال میں واقع ہوتا ہے۔ اور قالب و قلب کے درمیان لفظی مناسبت ہے۔ اس واسطے ہر ایک کو اپنے مناسب لفظ کے ساتھ جمع کر کے عبارت کا اختلاف اختیار کیا ہے (ص ۳۵ مکتوب بنام ملا تشکیبی اصفہانی)

اس خط میں حضرت امام ربانی رحمہ اللہ نے روح اور جسم کے تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے۔ روح کو جسم کا مربی قرار دیا ہے۔ اور اس کی مزید تشریح و تفصیل ایک دوسرے مقام پر اس انداز میں کی ہے۔ کہ بے اختیار زبان سے نکلتا ہے کہ یہ تشریح و بیان حقائق و معارف ایک مجدد کی ہی شان ہو سکتی ہے۔ اور کسی دوسرے کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ

معرفت:۔ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ:۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت

پر پیدا کیا۔ اللہ تعالےٰ بیچون و بیچگون ہے۔ آدم علیہ السلام کی روح کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ آدم علیہ السلام کی روح کو جو اس کا خلاصہ ہے۔ بیچونی و بیچگونی کی صورت پر پیدا کیا۔ پس جسطرح حق سبحانہٗ لامکانی ہے۔ روح بھی لامکانی ہے اور روح کو بدن کے ساتھ وہی نسبت ہے۔ جو حق تعالیٰ کو عالم کے ساتھ ہے۔ نہ داخل ہے نہ خارج۔ نہ متصل ہے۔ نہ منفصل اور قیومیت سے زیادہ اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی : ——————— ہاں بدن کے ذرات میں سے ہر ذرہ کا قیوم روح ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ عالم کا قیوم ہے۔ بدن کے لئے حق تعالیٰ روح کی قیومیت کے سبب ہے۔ جو فیض وارد ہوتا ہے۔ اس فیض کے وارد ہونے کا محل پہلے روح ہے۔ پھر روح کے ذریعے۔ یہ فیض بدن کو پہنچتا ہے۔ اور چونکہ روح بیچونی و بیچگونی کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے حقیقی بیچون و بیچگون کی اس میں گنجائش ہوگی لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی مومن، (میں اپنی زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا۔ لیکن مومن آدمی کے دل میں سما سکتا ہوں) کیونکہ آسمان و زمین باوجود وسعت و فراخی کے چونکہ دائرہ مکان میں داخل ہیں۔ اور چونی و چگونگی کے نشانوں سے داغدار ہیں۔ اس لئے لامکانی کی۔ جو چندی و چونی سے مقدس و پاک ہے۔ گنجائش نہیں رکھتا۔ اور بیچون چوں میں آرام نہیں لیتا۔ پس ناچار مومن آدمی کے دل میں جو لامکانی ہے۔ اور چندی و چونی سے مبرا ہے گنجائش

ثابت ہو گی۔

مومن آدمی کے دل کی تخصیص اس میں ہے۔ کہ غیر مومن کامل آدمی کا دل لامکانی کی بلندی سے نیچے اترا ہوتا ہے۔ اور چندی وچونی میں گرفتار ہو کر اسی کا حکم حاصل کئے ہوتا ہے۔ پس نزول وگرفتاری کے باعث چونکہ دائرہ امکان میں داخل ہو گیا ہے۔ اور چونی کا حکم حاصل کر لیا ہے۔ اس لئے اس نے اس قابلیت کو ضائع کر دیا ہے۔

اولئک کالانعام بل هم اضل۔

یہ لوگ چارپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں!:۔

اور مشائخ میں سے جس کسی نے اپنے دل کی وسعت کی نسبت خبر دی ہے۔ کہ اس کے قلب کی لامکانیت ہے۔ کیونکہ مکان خواہ کتنا ہی وسیع ہو۔ پھر بھی تنگ ہی ہے۔

عرش اپنی فراخی وعظمت کے باوجود چونکہ مکانی ہے۔ اس لئے لامکانی کے مقابلہ میں جو طرح ہے۔ دانہ رائی کا حکم رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ جب یہ مضغہ انوار قدس کی تجلی کا محل رہے، اور قدیم کے ساتھ بقا حاصل کر چکا ہے۔ تو عرش وما فیہا کو اگر اس میں ڈال دیں تو خود متلاشی ہو جائیں۔ اور ان سے کچھ اثر باقی نہ رہے۔ جیسا کہ سید الطائفہ نے اس مقام کے بارہ میں فرمایا ہے۔

ان المحدث اذا قوان بالقدیم لم یبق لہ اثر۔ کہ جب حادث

قدیم کے ساتھ مل جائے تو اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ ایسا یکتا لباس ہے۔ جو خاص روح کے قد پر سیا گیا ہے۔ ملائکہ کو بھی یہ

خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی دائرہ امکان میں داخل ہیں۔ اور

"چوں" کے داغ سے موسوم ہیں۔ اسی واسطے انسان خلیفہ رحمٰن جل جلالہ بن گیا۔ ال

شئے کی صورت اس شئے کا خلیفہ ہوتی ہے۔ اور جب تک شئے کی صورت پر مخلوق نہ

ہو۔ شئے کی خلافت کے لائق نہیں ہوتا۔ اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو۔ اپنے

اصلی امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔ لا یحمل عطا یا الملک الا مطایاہ۔ بادشاہ

کے عطیوں کو اسی کے اونٹ اٹھا سکتے ہیں۔ (انتہیٰ ملخصاً دفتر اول ص ۶۲۴-۶۲۵)

حضرت مجدد رحمہ اللہ کی ان عبارتوں کو ملا کر پڑھو۔ تو مندرجہ ذیل نتائج

آپ کے سامنے آجائیں گے۔

(۱) ترکیب انسانی عالم خلق اور عالم امر کے ارتباط سے دی گئی ہے۔

(۲) عالم خلق سے مراد عناصر اربعہ ہیں۔

(۳) روح "نور" ہے۔ اور اس کا دامن وسعت عرش و کرسی سے وراء الامکان کو

اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔

(۴) سالکان راہ طریقت کی پرواز جب لامکان تک پہنچتی ہے۔ تو انہیں اس

روح کے نور سے اشتباہ بھی ہو جاتا ہے۔ کہ شاید یہ نور انوار الٰہیہ کا پرتو ہے

(۵) یہ اشتباہ حضرت مجددؒ صاحب کو بھی لاحق ہوا۔ جو بعد میں دور ہو گیا

(۶) روح لامکانی ہے۔ اور بیچون و بے مثل۔ یعنی بے مثل صورت میں پیدا ہوئی ہے۔ حقیقی بیچون و بے مثل نہیں۔

(۷) روح کو جسم سے صرف اتنی مناسبت و تعلق ہے۔ کہ وہ جسم کے لئے مربی اور قیوم ہے۔ جیسا کہ خداوند کریم عالم کے لئے مربی و قیوم ہے۔ جیسا کہ ہم خداوند کریم کے لئے یہ نسبت نہیں کر سکتے ہیں۔ کہ وہ اندر ہے۔ یا باہر۔ متصل ہے یا منفصل اور اسے قیومیت کے بغیر کوئی نسبت نہیں۔ اور وہ ہر ذرہ عالم کے لئے قیوم ہے یہی نسبت۔ یہی رابطہ۔ یہی تعلق روح کو جسم کے ہر ذرے اور ہر عضو و جزو سے ہے۔ بدن کے ہر ذرے کا قیوم روح ہے۔ جیسا کہ عالم کے ہر ذرے کا قیوم خداوند عالم ہے۔

(۸) زمین و آسمان۔ عرش و کرسی باوجود فراخی اور وسعت کے دائرہ مکان کے اندر چونی و چگونی۔ مانند و مثل سے داغدار ہیں۔ اور روح لامکانی ہے۔ وہ اس داغ سے مبترہ و منزہ و پاک ہے۔

(۹) روح چونکہ لامکانی ہے۔ اور عرش باوجود وسعت کے مکانی دائرہ سے باہر نہیں۔ اس لئے روح کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہیں۔

(۱۰) یہ لامکانی۔ مشابہ بالقدیم۔ بے مثل و مثال لباس خالص روح کے قد و قامت کے مطابق و مناسب سیا اور تیار کیا گیا ہے۔ جہاں کسی دوسری مخلوق کو رسائی

نہیں - اور اس کا دائرہ بہت وسیع اور جو کائنات کو محیط ہے۔ عرش ہو یا کرسی - فرشتے ہوں یا جن - سب دائرہ امکان کے اندر ہیں - اور چوں کے داغ سے موسوم ہیں - اس لئے خلیفہ اللہ ہونے کے قابل نہیں سمجھے گئے - کیونکہ خلیفہ کے لئے ضروری ہے - کہ اس کی خلقت و پیدائش اس کی صورت میں ہو - جس کا وہ خلیفہ و جانشین ہے - اور یہ شرف صرف انسانی روح کو عطا ہوا ہے دوسری کوئی مخلوق اس شرف سے سرفراز نہیں کی گئی ۔۔۔۔۔۔

خداوند کریم اپنی ہزار ہا رحمتوں سے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے روح پر فتوح کو سرفراز و سر بلند فرمائے - انہوں نے انسانی اجزاء ترکیبیہ کی حیثیت، مقام رفعت اور پستی کی بالوضاحت تشریح فرما دی - قرآن مجید کی متعدد آیات میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - جیسے حضرت مجدد صاحب نے بلا حجاب اور بغیر کسی قسم کے استار و اخفا کے بیان فرما دیا - بشریت و انسانیت کے اجزاء اور ان کی حیثیت بھی کھل کر سامنے آگئی - روح کی رفعت و علو - عناصر کا پست و محتاج ہونا بغیر کسی شک شبہ کے سامنے آگیا -

روح ایک ذات ہے - قوت ہے - جسے خالق حقیقی نے اپنی صورت پر تخلیق فرما کر اسے وہ وسعت و فراخی عطا فرمائی - کہ اس کے سامنے زمین و آسمان - عرش و کرسی ملائکہ و جن سب کے سب بے بس ہو کر رہ گئے ہیں - یہ ناروا، عنصری تعلق ہے - جس نے بعض اوقات روح کو اپنے مقام رفیع سے اتار کر پستی میں ڈال دیا ہے - اور وہ اپنی حقیقی استعداد

کھو چکے ہیں ۔ اور قعر مذلت میں گرائے جا چکے ہیں :۔

سرورِ دو عالم کی بشریت کی شان ہی نرالی ہے ۔ آپ کی بشریت کے عناصر منقاد مطاع اور کثافت اور ختقوں سے مبرہ منزہ اور لطیف و شفاف ہو چکے ہیں ۔ آپ دائیں بائیں ۔ خلف و عقب ہر طرف برابر دیکھتے ہیں ۔ قرآن مجید کا زبان زد فقرہ " مثلکم " کے سمجھنے کے لیے شعور چاہیئے ۔ آپ کی مقدس روحانیت نے عناصر کی کثافت کو ختم کرکے اسے لطافت عطا فرمائی ۔ "مثل" کو سمجھنے کے لئے غور چاہیئے ۔ یونہی نہ کہتے پھریئے ۔ کہ ہماری طرح ہیں ۔

اس میں کوئی شک نہیں ۔ کہ خداوند عالم نے اپنی مخصوص حکمت کے تحت آپ کی روح کو جو خالق کی مشابہت کا فردِ کامل ہے ۔ بشری جامہ پہنایا ۔ اور جسد عنصری سے ایک محدود مدت کے لئے رابطہ و ارتباط کو اپنی حکمت کاملہ کے مطابق سمجھا ۔

لیکن یاد رکھو ۔ اور خوب یاد رکھو ۔ کہ جس عنصری پتلے کو یہ شرف حاصل ہوا ۔ کہ اس کے ساتھ روح محمد پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرار پائی ۔ اس پتلہ کے ہر جزو اور ہر عضو کو موسوم تو اسی نام سے کیا جائیگا جس نام سے دوسرے تمام انسانوں کے اعضاء موسوم ہوتے ہیں ۔ سوائے اشتراک اسمی اور اس مخصوص ہیئت کے جو انہیں دی گئی ہے ۔ اور کوئی اشتراک نہیں ۔ مثلاً کان ۔ ناک ، ہاتھ ، پاؤں ، یہ نام تو ان پر اطلاق کئے جا سکیں گے ۔ اور ان میں ایک ہیئت جس کی جھلک تو ان میں ضرور ہے ۔ لیکن حقیقت میں اوصاف خواہ وہ ظاہریہ ہوں یا باطنیہ حضور پاک

کے اعضاء کے مشابہ کائنات میں کوئی عضو نہیں پیدا کیا گیا۔ پوری کائنات عالم میں حضور پاک کی ناک جیسی کوئی ناک نہیں۔ آپ کی آنکھ جیسی کوئی آنکھ نہیں۔ آپ کے پاؤں جیسا کوئی پاؤں نہیں۔ آپ کے بال جیسا کوئی بال نہیں۔ آپ کے سر مبارک جیسا کوئی سر نہیں۔ غرضیکہ جس طرح آپ کی ذات اپنے مخصوص اوضاع واطوار۔ اوصاف میں کائنات عالم میں بے مثل بے مانند واحد لاشریک ہے۔ اسی طرح آپ کا ایک ایک عضو۔ بے مثل وبے مثال ہے [1]

میں نے شروع مضمون میں عرض کیا تھا۔ کہ اجزاء کے تجزیہ کے بعد معلوم ہوگا۔ کہ ان اجزاء میں اولیت، اقدمیت، افضلیت کونسے جزو کو حاصل ہے۔ اب معلوم ہوا۔ کہ اولیت۔ اقدمیت۔ افضلیت اجزاء انسانی میں سے روح کو حاصل ہے اور عناصر کو یہ شرف روح کے ارتباط و تعلق سے ہوا۔ جزو اعظم اور کارکن اس مرکب میں روح ہے۔ جس کا دوسرا نام "نور" ہے۔ بیشک عناصر کے نور سے ارتباط کے بعد قرآن نے اسے بشریت وانسانیت وآدمیت کے نام سے پکارا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الفاظ کا اطلاق مشروط طور پر جائز ہے۔ وہ شرط یہ ہے۔ کہ اس اطلاق کے

---

[1] حضور کے تمام اعضاء مبارکہ کی بے مثلی کا ثبوت احادیث صحیحہ کی روشنی میں معلوم کرنے کے لئے مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی مرحوم کی کتاب "بے مثل بشر" ملاحظہ کی جائے۔ جو اس موضوع پہ بے مثل کتاب ہے۔ (محمد سعید احمد نقشبندکا)

ساتھ کوئی ایسا فصل مابہ الامتیاز نہ ہو۔ جو اس لفظ کو مشترک و عمومی سے نکال کر اسے ممتاز و ممیز کر دے۔ اور جب تک ممیز و ممتاز کرنے والے اوصاف کو اس عمومی لفظ کے ساتھ ضم نہ کیا جائے۔ اس لفظ کا اطلاق سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر ناجائز ہے۔ ممنوع ہے۔ حضور کی شان ارفع کے خلاف ہے۔ اور شان رسالت مآب کے منافی الفاظ کا استعمال بے دینی و گمراہی ہے۔

اصل اہمیت روح کو ہے۔ اسی روح کا دوسرا نام نور ہے۔ اور روح سے مراد وہی کامل روح ہے۔ جس کے متعلق حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ تمام کائنات سے پہلے نبی پاک کے "نور" کو کتم عدم سے عالم وجود میں لایا گیا۔ باقی تمام ارواح اسی معہودہ نور و روح کے ظلال ہیں۔ اور انہیں بھی حصہ وافر دیا گیا ہے اور وہی روح ہے۔ جسے اپنی صورت پر تخلیق دے کر خلیفۃ اللہ کا رفیع اعزاز بخشا گیا ہے۔ جس کی تخلیق کی صورت لامکانی ہے۔ عرش و کرسی سے وراء الوراء ہے۔ وہاں نہ فرشتہ کا گذر ہے۔ نہ کسی جن کا۔ نہ کسی پیغمبر کا نہ کسی ولی کا۔ جس نے طوفت بھی کی۔ اسے بقدر نصیبہ حصہ دیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک ہمت کا اقتضاء ہوتا ہے۔ وہاں تک رسائی و مشاہدہ کے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ اور یہ انعام عظیم ہے۔ اور کوئی اس انعام سے نہیں نوازا جاتا۔ بہر حال افضلیت۔ اقدمیت۔ اولیت۔ سب اسی کے نصیبہ و حصہ میں آئی ہیں۔ اور دوسری مخلوقات کو جو کچھ دیا گیا ہے۔ یا دیا جائیگا۔ اسی نور و روح کے رابطہ کے مطابق دیا گیا یا دیا جائیگا۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ۔ علم ظاہری کے بیکراں سمندر اور علم باطنی کشفی و واردات قلبی کے ایک ماہر شناور ہیں۔ لیکن واردات قلبی و انکشافات باطنی کا غلبہ و تسلط اور اس کا رنگ ان کے کلام پہ بہت زیادہ ہے وہ گفتگو قلبی واردات و باطنی انکشافات کے تحت کرتے ہیں۔ ان کی تقریر و تحریر کا انداز علماء کے عمومی انداز سے مختلف ہے۔ وہ گفتگو اس انداز سے کرتے ہیں۔ کہ گویا وہ واقعیات ان کے سامنے ہیں۔ اور وہ دیکھ کر حالات و واقعات کی حقیقت نفس الامری بیان کرتے ہیں۔ اشتباہ و تشکیک کو ان کے کلام میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی وہ اپنی ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس لئے ہوئے ہیں۔ کلام کا رنگ اور انداز متصوفانہ ہوتا ہے۔ ان کی اپنی اصطلاحین ہیں۔ اور انہیں کے تحت وہ گفتگو کرتے ہیں۔ عام قاری کے لئے اس میں وضاحت نہیں ہوتی۔ اور ایک عامی قاری بعض اوقات تشنگی محسوس کرتا ہے۔ چونکہ انہیں واردات و انکشافات کا دعوے ہے ....

اس لئے وہ اپنی اس ذمہ داری کو نبھانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ ان کے کلام کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مناسبت کی اشد ضرورت ہے جب تک سامع کا قلب واردات و انکشافات سے ایک حد تک آشنا نہ ہو۔ ان کی بعض اصطلاحات تک رسائی بہت مشکل ہے۔ ان کا کلام صوفیانہ اصطلاحات کو لئے

ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید میں قرآن و حدیث پیش کرتے ہیں ا۔۔۔۔۔

میں نے آپ کی جو عبارتیں نقل کی ہیں۔ ممکن ہے۔ بعض احباب ان میں بھی تشنگی محسوس کریں۔ کہ مقصد تک پہنچنے کے لئے ایسی وضاحت نہیں ہے۔ جیسی کہ چاہئے۔ لیکن میرے خیال میں مقصد تک پہنچنے کے لئے آپکے ارشادات کافی و وافی ہیں۔ اور اظہار مقصد کے لئے اس میں کوئی ابہام نہیں۔ تاہم جو احباب زیادہ وضاحت چاہتے ہیں۔ اور انسانی اجزاء کے دو جزو۔۔۔۔۔ عناصر و ارواح کی حیثیت معلوم کرنے کے لئے کسی خاص فن کی اصطلاحات کو سمجھنے کے لئے زیادہ کاوش کے خواہشمند ہیں۔ ان حضرات کی تسلی و اطمینان کے لئے میں ایک ایسے عالم کی مبسوط واضح تحریر پیش کرتا ہوں۔ جن کی علمی۔ تاریخی حیثیت دنیائے اسلام میں مسلّم ہے اور وہ جس مسئلہ کو لیتے ہیں۔ اسے واضح اور سہل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ کسی فن کی اصطلاحات کو محض تحریر میں لانے کے وہ عادی نہیں۔ خالص اہلسنت والجماعت کے مسلک حقہ کے ترجمان ہیں۔ نہ انہیں کشف و انکشاف کا دعوے ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی مسئلہ کو بیان کرنے میں واردات قلبیہ کا سہارا لیتے ہیں۔ میری مراد علامہ عبدالرحمن ابن خلدون المغربی ہے۔

حضرت علامہ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔

"اب ہم اکثر محققین کے نہج پر نبوت کی حقیقت کو شرح و بسط کے ساتھ لکھو۔۔ تے ہیں۔ پھر کہانت و خواب کی اصلیت کو بھی آشکارا کر کے عارفین باللہ کی شان کی وضاحت کرینگے۔ اور ان کے مدارک غیبیہ کو معرض بیان میں لائینگے" (مقدمہ ابن خلدون اردو ترجمہ ص ۱۱۹)

مندرجہ بالا عنوان کے تحت آپ تحریر کرتے ہیں:۔

"ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس عالم دنیا کی ساری مخلوقات اپنی خاص ہیئت و نظم و نسق کے ساتھ موجود ہے۔ اسباب مسببات سے مربوط ہیں۔ اور ایک موجود دوسرے موجود سے متصل و وابستہ۔ اور بعض موجودات کا بعض سے رد و بدل اور استحالہ ہوتا ہے۔ غرض اس عالم کون کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ انسان کی کوئی غایت پاتا نہیں۔ عالم محسوسات میں عالم عناصر ہی کو دیکھئے۔ جو ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ کہ کس خوبی سے عناصر ایک دوسرے کے ساتھ متصل قائم ہیں۔ کہ اول زمین ہے تو اس کے اوپر پانی۔ پھر ہوا۔ اور اس سے بھی اوپر آگ۔ اوپر کے عناصر نیچے سے اور نیچے کے عناصر اوپر سے ایک دوسرے کے ساتھ رد و بدل کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ اور بعض اوقات بدل جاتے ہیں۔

ان مراتب عناصر میں ہر بالا عنصر نیچے عنصر سے لطیف تر ہے۔ یہاں تک کہ عالم افلاک جو سب سے بلند تر ہے۔ وہ سب سے زیادہ لطیف ہے۔ اس کے طبقات ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں۔ اور سوائے ان کی حرکات کے صحیح ان کی ہیئت کا علم نہیں ہو سکتی۔ انہی حرکات سے حکماء نے ان کے مقادیر اور ان کے اوضاع کا پتہ چلایا ہے۔ اور ان ذوات کے نفوس کا بھی پتہ لگایا۔ جن سے افلاک میں یہ آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

عالم عناصر سے نظر ہٹا کر ذرا عالم تکوین پر نظر ڈالئے۔ تو اس کی نیرنگیاں کچھ اور ہیں۔ اول معدنیات ہیں۔ پھر نباتات اور حیوانات۔ جیسے تدریجی ہیئت سے ایک دوسرے سے

مربوط و منسلک ہیں۔ گویا معدنیات کا اعلیٰ طبقہ نباتات کے اسفل طبقہ سے متصل ہے۔ مثلاً گھاس پات اور بیج کے اگنے والی روئیدگی اسی طرح نباتات کا اعلیٰ طبقہ حیوانات کے اسفل طبقہ سے متصل ہے۔ مثلاً کھجور و انگور وغیرہ کہ وہ حیوانات کے اسفل میں شمار ہونے والے جانور۔ گھونگے اور سیپ سے ملتے ہیں۔ جن میں سوائے چھونے کی قوت کے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔

ہمارے اس بیان کردہ اتصال مکنونات کا یہ مطلب ہے۔ کہ ماتحت طبقہ کا اعلیٰ ترین فرد بالا طبقہ کے اسفل ترین فرد سے بدل جانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ ان میں عالم حیوانات کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور کثیر انواع پر مشتمل ہے۔ اور یہ اپنے تکوینی مدارج طے کرتا ہوا عالم انسان سے جا ملتا ہے۔ اور انسان جو فکر رویت رکھتا ہے۔ اور یہ فکر رویت اس کو اس عالم اعلیٰ سے ملے ہیں۔ جس میں حواس و ادراک سب موجود و جمع ہیں لیکن اعلیٰ حیوانات میں یہ فکر و رویت بالفعل نہیں ہوتے۔ اور یہی وہ رتبہ ہے۔ جو حیوانات کے بعد عالم انسانی کے ابتدائی درجہ میں ملتا ہے۔ اور یہی تدریج ہمارے مشاہدہ کی غایت ہے۔

مختلف عالموں کے اثرات

پھر دنیا کے مختلف عالموں پر طرح طرح کے آثار مرتب ہونے نظر آتے ہیں۔ مثلاً عالم حس پر افلاک اور عناصر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور عالم کون و فساد میں نمو و ادراک اثر افگن۔ یہ سب ملکر اس کی کھلی شہادت دیتے ہیں۔ کہ ان کا کوئی موثر ہے۔ جو خود

روحانی ہے۔ اور تمام اجسام سے مبائن اور وہ مکونات میں عالم جسمانی و روحانی کے باہمی اتصال کی وجہ سے آگیا ہے۔ اسی موثر روحانی کو نفس محرکہ و مدرکہ کہتے ہیں۔

اور ضرور ہے۔ کہ اسں عالم حرکت و ادراک سے بھی بالاتر کوئی اور عالم ہو۔ جو اس عالم کو ادراک و حرکت کی قوتیں بخشتا ہو۔ اور اس سے متصل واقع ہو۔ اور اس میں ادراک تعقل محض کے سوا کچھ نہ ہو۔ چنانچہ یہی عالم ملکوت ہے۔

اس تمام بحث سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ انسان میں ایک ایسی قابلیت استعداد ہونی چاہئیے۔ کہ جب وہ اپنی روحانیت کو درجہ کمال تک پہنچا دے۔ تو وہ بشریت سے ترقی کر کے درجہ ملکیت تک پہنچ سکے۔ اور جنس ملائکہ میں اس کا شمار ہو۔ کیونکہ اس کا عالم۔ عالم ملکوت سے ملتا ہے۔ اور موجودات مرتبہ کا یہی حال ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ کہ ہر موجود ترقی کر کے عالم بالا سے جا ملتا ہے۔

انسان کے دو رخ —— یہیں صورت انسان کے دو رخ ہیں۔ نیچے کے رخ سے وہ جسم سے ملا ہے۔ اور اسں جسم کے ذریعے وہ ادراک حسیہ حاصل کرتا ہے۔ جن سے آگے بڑھ کر اس میں بالفعل تعقل کی قابلیت و استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اوپر کے رخ سے وہ عالم ملکوت سے ملتا ہے۔ جہاں سے مدارک علمیہ۔ غیبیہ اکتساب کرتا ہے۔

کیونکہ گذشتہ آنے والے حوادث سب کے سب ملائکہ کے علم و تعقل میں بدوں قید زمانی موجود ہیں۔ اور نفس انسانی کی نظروں سے اوجھل ہے۔ مگر اس کے آثار بدن پر

عیاں ہیں۔ اور مظاہر۔ گویا پورا جسم انسانی یا اس کے اجزاء خواہ اجتماعی حیثیت سے خواہ انفرادی حیثیت سے۔ نفس اور اس کے قوٹی کے حسی آلات وادوات ہیں۔ مثلاً قوت عملی کا کام پورا کرنے کے لئے چند اعضاء ہیں۔ ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں چلنے کے لئے۔ زبان بات چیت کرنے کے لئے۔ اور پوری حرکت کا کام جسم دیتا ہے۔ ادراک کی قوتیں۔ بھی آپس میں مرتب ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طرف ترقی کرتی ہیں ....

نفس بشری کے طبقے:۔ ——— کمال و نقصان کے لحاظ سے نفس بشری کے تین طبقے ہیں۔

پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے۔ جو بالطبع روحانی ادراک سے عاجز و قاصر ہیں۔ ان کے نفوس فکری حرکت کے وقت پست منزل یعنی مدارک حسیہ و خیالیہ کیطرف رخ کرتے ہیں۔ اور صُوَر حافظہ و واہمہ کو قوانین خاصہ کے ماتحت اور ترتیب خاص سے ترکیب دے کر علوم صوریہ تصدیقیہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے سارے علوم خیالی ہوتے ہیں۔ اور محدود۔ کیونکہ ان کے علوم کی منزل اعلیٰ بدیہات ہیں۔ اس سے آگے یہ قدم نہیں رکھتے۔ اگر ان بدیہات میں کوئی قصور واقع ہو جائے۔ تو ان کے علوم کا سارا تار و پود ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ادراک بشری جسمانی کی دوڑ بھی غالباً اسی حد تک ہے۔ ان علماء کے مدرکات کی آخری سرحد بھی یہی ہے۔ بس یہیں ان کے قدم جمے رہتے ہیں۔

دوسرا طبقہ:۔ ان بندگوں کا ہے۔ جن کی حرکت فکریہ عقل روحانی کیطرف

بڑھتی ہے۔ اور وہ اپنے ادراکات میں آلات بدنیہ کے محتاج نہیں۔ کیونکہ قدرت ہی کی طرف سے ان کو یہ استعداد عطا ہوئی ہے۔ تو گویا ان کا میدان علم و ادراک بدیہات سے گزر کر جو طبقہ ادنیٰ کے علم کی آخری سرحد ہے۔ مشاہدات باطنیہ تک پہنچتا ہے۔ یہ مرتبہ علماء اور اولیاء کا ہے۔ جو علوم دینیہ سے واقف اور معارف ربانیہ سے آشنا ہیں۔ یا یہ درجہ اہل سعادت کو موت کے بعد عالم برزخ میں ملتا ہے۔

تیسرا طبقہ۔ ان مقدس بزرگوں کا ہے۔ جو فطرت ہی سے بشری جسمانیت و روحانیت سے بے تعلق ہونے اور ملائکہ کے درجے اعلیٰ تک پہنچنے کی قابلیت و استعداد رکھتے ہیں۔ تاکہ کسی وقت وہ بالفعل ملائکہ کی صف میں کھڑے ہو سکیں۔ اور ان کو ملاء اعلیٰ کا حضور نصیب ہو۔ اور خطاب ربانی و کلام نفسانی سننے کا شرف ملے۔

یہ بزرگ گروہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو خاص وقت میں بشریت سے بے نیاز و بے تعلق ہونے کی قابلیت عطا فرمائی ہے۔ یعنی بحالت وحی۔ یہی گویا ان کی فطرت ہے۔ جس پر ان کو پیدا فرمایا۔ یہی ان کی جبلت ہے۔ جس پر انکے اجساد کی تشکیل کی۔ بشری لباس رکھتے ہوئے بدنی رکاوٹوں اور جسم کے گندے تقاضوں سے ان کو پاک و بری کیا۔ ان کے نفوس مقدسہ میں قصداً استقامت کی جڑ بٹھادی۔ کہ اس کے ذریعہ وہ ملاء اعلیٰ کی طرف جلد ترقی کریں۔

ان پاک طبیعتوں میں عبادت کی رغبت والفت جاگزیں کردی گئی ہے۔ تاکہ عالم ملکوت کا ان کو انکشاف ہو۔ اور اسی کی طرف وہ کھچیں۔ غرض کہ انبیاء علیہم السلام اپنی انہیں مذکورہ فطری صلاحیتوں کی بنا پر جب چاہتے ہیں۔ بدوں کسب وصنعت کے ملاء اعلیٰ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور عالم بشریت سے نکل جاتے ہیں۔ اور وہاں القاء والہام جو کچھ بھی لینا ہوتا ہے۔ لے کر پھر مدارک بشریہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اپنی قوتوں میں موجود ہوتے ہیں۔ تاکہ بندوں تک احکام ربانی پہنچا سکیں۔

وحی کی اول صورت آنحضرت پر دشوار تر ہوتی تھی۔ کہ آپ کو ابتداءً قوت کے مرتبہ سے نکل کر بالفعل عالم ملکوت سے اتصال ہوتا تھا۔ اس میں آپ کو دشواری و زحمت محسوس ہوتی تھی۔ اسی طرح جب نبی مدارک بشریہ سے بالا ہو کر ملکوتی مدارج میں پہنچتے ہیں۔ تو پھر اس کے علاوہ صورتیں ان کے صعب و دشوار ہو جاتی ہیں۔

اب جب وحی پے در پے اترتی ہے۔ اور القاء کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے تو عالم ملکوتی سے یہی اتصال جو شروع میں دشوار نظر آتا ہے۔ سہل تر ہو جاتا ہے۔ پھر جب مدارک بشریہ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ تو سب پر ہوتا ہے۔ خصوصاً ان میں سے واضح تر ادراک۔ ادراک بصری کی طرف۔ کہ وہاں کا سارا نقشہ یک بہ یک آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے ....

کہانت کی بحث:۔ —— یہ بحث نبوت کی تھی۔ اب ہم کہانت کے بیان کا آغاز کرتے ہیں۔ دراصل کہانت بھی نفس بشری کا ایک خاصہ ہے۔ یہ اس طرح کہ

سابق میں بیان ہوا۔ کہ نفس بشری میں یہ صلاحیت و استعداد موجود ہے۔ کہ وہ بشریت سے نکل کر اپنے مافوق عالم عالم روحانیت تک پہنچ سکے۔ اور نوع بشری میں صرف انبیاء کو ان کی خاص فطرت کی بنا پر خاص اوقات میں یہ فخر نصیب ہوتا ہے۔ کہ عالم بشریت کو چھوڑ کر عالم ارواح میں جا پہنچتے ہیں۔

انبیاء کو کسب و جدوجہد کی ضرورت نہیں:۔ ——— پھر یہ بات بھی طے پا چکی۔ کہ انبیاء علیہ السلام کو اس مرتبہ کے حصول کے لئے۔ کسب و جدوجہد۔ مدارک و تصورات سے استعانت و مدد کی ضرورت نہیں نہ ان کو اس کی حاجت کہ افعال جسمانی مثلاً کلام و حرکت یا اور کسی امر کے ذریعہ اس درجہ تک پہنچیں۔ بلکہ ان کا بشریت سے خروج اور ملکیت میں دخول ان کے فطری تقاضے کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور آنی ہوتا ہے۔ کہ چشم زدن میں ایسا کر گزرتے ہیں۔

ناقص استعداد:۔ ——— جب یہ صورت ہوئی۔ اور یہ استعداد تو بہر حال طبیعت بشری میں موجود ہے۔ اس لئے قیاس اس کا مقتضی ہے۔ کہ نوع انسانی میں بعض اشخاص میں یہ استعداد طبقۂ انبیاء سے کمتر و ناقص بھی پائی جائے۔ اور اس کمتر طبقہ میں یہ کمی اس طرح ہو۔ جس طرح افراد ناقص میں یہ نسبت افراد کامل کے ہوا کرتی ہے۔ جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیونکہ یہاں بھی بشریت سے خروج کے لئے عدم استعانت۔ استعانت کی ضد ہے۔ اور ان میں آپس میں ضدین کی طرح بڑا فرق ہے۔

غرض نوع انسانی میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے ۔ جو حرکت فکریہ سے قوت عقلی کو حرکت میں لاکر مدارک جسمیہ سے الگ و بالاتر ہو سکتا ہے ۔ اگرچہ فطرت و جبلت سے اس کو یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام کی طرح عطا نہیں ہوا چونکہ اس طبقہ کے افراد کی فطرت ناقص ہے ۔ جب بشریت سے جدائی اور ملکیت کی طرف عروج میں انکا نقصان فطرت سنگ راہ بنتا ہے ۔ اور ان کو اس سے روکتا ہے ۔ تو یہ امور جزئیہ سے خورده محسوس ہوں یا متخیلہ مدد لیتے ہیں ۔ مثلاً اجسام شفاف ۔ استخواں حیوانات ۔ مسجع کلام طیور و حیوانات کے افعال و حرکات ۔

کہ یہ سب چیزیں بشریت سے جان چھوڑانے میں ان کی مدد و معاونت کرتی ہیں ۔ جو وہ لے کر پیدا ہوئے ہیں ۔ چنانچہ یہی قوت جو ان لوگوں میں اس قسم کے ادراک و بشریت سے جدائی کا سبب بنے کہانت کہلاتی ہے ۔

کاہن کے ادراکات ہ۔ اب چونکہ اس طبقہ کے لوگوں میں فطرۃً ایک نقص و قصور ہے ۔ جو ان کو کمال سے گراتا ہے ۔ اس لئے ان کا علم و ادراک بجائے کلیات کے زیادہ تر جزئیات میں ہوتا ہے ۔ اور اسی وجہ سے کاہنوں کی قوت متخیلہ بہت تیز و قوی ہوتی ہے ۔ کیونکہ جزئیات کا ادراک و علم اسی کے ذریعہ ہے ۔ پس کاہن خواہ جاگتا ہو ۔ یا سوتا ہو ۔ اس کی قوت متخیلہ انہی جزئیات میں ڈوبی رہتی ہے ۔ اور کار فرما رہتی ہے ۔ اور تمام جزئیات اس کے سامنے دست بستہ حاضر رہتے ہیں ۔ جن کو خیال لا لا کر پیش کرتا ہے ۔ گویا جزئیات اس کے لئے ایک آئینہ ہوتے ہیں ۔ جن میں

وہ ہمیشہ اپنی معلومات کی ٹٹول کرتا رہتا ہے۔ کاہن معقولات کا ادراک علی الکمال نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کی وحی شیطانی ہے۔ (بلفظہٖ)

(مقدمہ ابن خلدون اردو ترجمہ از مولانا سعد حسن یوسفی (فاضل الہیات)

(ص ۱۱۹۔۱۲۰۔۱۲۱۔۱۲۲۔۱۲۳۔۱۲۴۔۱۲۵) حضرت علامہ ابن خلدون کا بیان بالکل واضح اور مفصل ہے۔ ان کے کلام میں صوفیانہ اصطلاحات۔ کشفی رموز و اشارات نہیں ہیں۔ اور تفصیلات و فصاحت بھی نسبتہً زیادہ ہے۔ اگر حضرت علامہ کے کلام کو حضرت مجددؒ صاحب کے کلام کی تشریح قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اگرچہ حضرت علامہ رہ کا زمانہ حضرت مجدد صاحب کے زمانہ سے صدیوں قبل و مقدم ہے۔ تاہم حضرت مجدد رہ کا کلام متن اور حضرت علامہ کا کلام اس کی شرح کہلانے کا مستحق ہے۔

حضرت ابن خلدون نے مسئلہ سمجھانے کے لئے جو انداز اختیار کیا ہے۔ وہ حضرت مجدد صاحب کے انداز سے قطعی مختلف ہے۔ حضرت علامہ کا انداز عام فہم واضح اور غیر مبہم ہے۔ مبتدی و منتہی اپنی فہم و فراست کے مطابق اسے ذہن نشین کرنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے۔ اور انہوں نے اختصار و ایجاز سے قطعی اجتناب کیا ہے۔ بخلاف حضرت مجددؒ صاحب کے کہ آن کی پرواز بہت بلند ہے۔ اور الفاظ اتنے محدود لاتے ہیں۔ جسے ایک منتہی ہی سمجھنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علامہ اور حضرت مجدد صاحب کے ماحول اور مخاطبین میں بڑا فرق ہے۔ حضرت علامہ مسئلہ عوام کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ اور پورا اہتمام کرتے ہیں

ایک عامی سے عامی بھی اسے سمجھ سکے۔ اور ان کے اصل مخاطب عوام ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے اصل مخاطب عوام نہیں۔ بلکہ ایک مخصوص شخصیت جو اپنے علم و فضل و واردات قلبیہ سے پوری طرح آشنا و واقف کار ہے۔ بالطبع و بالواسطہ کوئی دوسرا بھی فائدہ اٹھا سکے تو یہ الگ بات ہے۔

سب سے بڑا مابہ الامتیاز ان حضرات کے درمیان یہ ہے۔ کہ حضرت علامہ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے زور سے مسئلہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کشف یا واردات قلبیہ کا اشارہ تک نہیں کرتے۔ اور حضرت مجدد صاحب دلائل کی جہاں ضرورت ہو لاتے ہیں۔ لیکن اصل بیان کی بنیاد مشاہدہ و واردات قلبیہ و کشوف پر رکھتے ہیں۔ کیونکہ دلائل نظریات میں ہوتے ہیں۔ مشاہدات سے دلائل کو کیا واسطہ۔

باوجود ان امتیازات کے جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ مقصد دونوں کا ایک ہے و حاصل کلام قطعی طور پر ایک دوسرے سے متحد و متفق ہے۔

حضرت علامہ کی اس تحقیق سے مندرجہ ذیل نتائج آسانی سے اخذ کئے جا سکتے ہیں:

(۱) تمام اجسام میں کوئی مؤثر ہے۔ جو اجسام سے مبائن ہے۔ اور وہ روحانی ہے اسی کو نفس محرکہ و مدرکہ کہتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نے فرمایا تھا۔ کہ روح جسم کے لئے مقوم ہے۔ اور اس کو جسم سے وہی نسبت ہے۔ جو خداوند عالم

کو دوسری مخلوق سے ہے۔ کیونکہ تمام مخلوق کا مقوّم خدا وند تعالےٰ ہے"

(۲) نفس مدرکہ وہ جوہر ہے جو عالم ملکوت سے ہے۔

(۳) انسان میں ایسی استعداد موجود ہے۔ کہ وہ بشریت سے ترقی کرکے عالم ملکوت تک پہنچ جائے۔

(۴) گذشتہ آنے والے حوادث سب کے سب ملائکہ کے علم و تعقل میں بدوں قید زماں موجود ہیں۔

(۵) جسم انسانی نفس مدرکہ کے لئے بمنزلہ آلات ہیں۔

(۶) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ نفس مدرکہ بغیر کسبی مراحل طے کئے بشریت اور اس کی روحانیت سے نکل کر عالم ملکوت سے جا ملتا ہے۔

(۷) نفس بشری کے تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ جس کا ذہن اس کی وجدانیات سے آگے نہیں۔ دوسرا وہ جن کی حرکت فکر روحانی کی طرف بڑھتی ہے۔ اور وہ اپنے ادراکات میں آلات بدنی کے محتاج نہیں۔ تیسرا طبقہ انبیاء کا۔ وہ فطرت ہی سے بشری لباس رکھتے ہوئے کدورتوں اور بدن کے گندے تقاضوں سے پاک و بری ہیں۔ وہ بدوں کسب عالم بشریت سے نکل جاتے ہیں یا معلوم ہوا۔ کہ بشریت صرف لباس ہے۔ اور ان کی ذات و حقیقت کچھ اور ہے۔ کیونکہ لباس و ملبوس دو الگ الگ امر ہیں۔ اور بشریت سے الگ ہوکر ہی وہ ذات فیوض و مشاہدہ حق تعالےٰ سے مستفیض ہو سکتی ہے۔ وہ

دوسری ذات جو بشریت سے الگ ہے۔ ہم اسے نور کہتے ہیں۔ اور فی الحقیقہ ہو تزد قابل ذکر وہی نور ہے۔ جس کا دوسرا نام ذات محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اصل وہ ہے۔ اور اس کا فیض تمام عالم میں جاری وساری ہے۔

شاہ اسمعیل صاحب دہلوی کو بھی تصوف کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جب کہ ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت انہیں سید احمد بریلوی کو ولی باخدا بنا کر دکھانا مقصود تھا۔ تو اس سلسلہ میں انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے "صراط مستقیم" اس کتاب میں کچھ تصوف کے مسائل ہیں۔ اور باقی سید احمد صاحب بریلوی کے مناقب ہیں۔ اسی کتاب "صراط مستقیم" میں وہ ایک مقام پہ تحریر کرتے ہیں:۔

"فصل اول از جملہ ایثار حب است کہ ایں حب بالذات اقتضائے انحراق بشری و وصول روح الہی باصل خود میکند۔ و ایں نہ مطابقت ہیچ قانونے خواہ قانون شرع خواہ قانون ادب و نہ ابتغائے رضائے کسے خواہ رضائے محبوب باشد خواہ غیر آں"

شاہ اسمعیل دہلوی صاحب کو بھی مسلمہ قاعدہ سے انحراف کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ مقصد یہ ہے۔ کہ بشریت کے انحراق سے ہی وصول باللہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد صاحب اور علامہ ابن خلدون کے نظریات آپ پڑھ چکے ہیں کہ فیض و تعلق ملاء اعلیٰ انخلاع و احراق بشریت کے بغیر نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا۔

کہ بشریت ایک زائد جامہ ہے۔ جسنے اتار پھینکنے سے ہی مقصد بر آری ہوتی ہے۔ ورنہ بشریت ایصال الی اللہ کے راستہ میں حائل اور رکاوٹ ہے۔ بشریت کے احترام کا دامن تو ہم کسی وقت بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اور ہمارے قلب و دماغ میں اس کا بڑا احترام ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اپنے محبوب کے لئے اس عالم کائنات میں تشریف لانے کے لئے اسی جامہ کو پسند فرمایا۔ اور اس جامہ کے ذمہ اپنے کارخانہ حکمت کے بڑے بڑے اہم کام تفویض فرمائے۔ لیکن جامہ آخر جامہ ہوتا ہے اور اسے بہر حالت صاحب جامہ کا خدمت گزار، ممد و معاون ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ صاحب جامہ سے رتبہ و منزلت میں اسے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

خصوصاً ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کثیف جامہ لطیف ہو چکا تھا۔ اور رکاوٹ اور ممانعت کے خواص سے قطعی منزہ و مبرا ہو کر تابع اور فرمانبردار بن چکا تھا۔ ہر عقل مند جانتا ہے۔ کہ جامہ کتنا حسین و خوبصورت ہو۔ کتنا لطیف و نرم ہو بہر حال ہے تو جامہ۔ اسے صاحب جامہ سے ہمسری کا نہ کبھی دعوے ہوا ہے۔ اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ اور نہ ہی کوئی ذی عقل خادم و مخدوم کے درمیان برابری و ہمسری کا تصور کر سکتا ہے۔ خادم کے اوصاف جتنے چاہو بیان کر جاؤ۔ مخاطب کو کبھی یہ خلجان نہیں ہوتا۔ کہ مخدوم سے بڑھ جائینگے۔ خادم اور مخدوم کے درمیان حد فاصل ہے۔ جب کبھی کسی نے اس حد فاصل کو پھاندنے کی کوشش کی۔ تو اس سے مخدوم کا تو کچھ نہیں بگڑا۔ البتہ ایسا حد پھاندنے والا اہل عقل و دانش کے نزدیک احمق تصور

ہوتا ہے - اور اسی طرح عرض و جوہر میں کیا مناسبت ہے۔ سوائے اس کے کہ عرض جوہر کے سہارے زندہ ہے - اور جوہر اس کا متقوّم و مربّی ہے۔ بھلا عرض کو اپنے متقوّم و مربّی سے کبھی ہمسری کا دعوےٰ ہوا ہے۔ عرض کو جتنا سراہو اور اس کے جتنے گن گاؤ صاحبِ عقل و دانش کے نزدیک وہ تمام صفات جوہر کے ہونگے۔ جس کے سہارے وہ عرض زندہ اور موجود ہے۔

مثلاً گھوڑے کا رنگ مشکی یا کمیت ہے - اب اگر کوئی سیاہ رنگ یا کمیت رنگ کی تعریف و توصیف کریگا - تو وہ تمام تعریف و توصیف گھوڑے کی سمجھی جائیگی - فی ذاتہٖ مشکی یا کمیت تو کوئی چیز نہیں - اور اس کا وجود ہی گھوڑے یا کسی دوسرے موصوف کے سہارے قائم ہے - ورنہ فی ذاتہٖ وہ کوئی چیز نہیں - گھوڑا یا کوئی دوسرا موصوف کائنات میں نہ رہے - تو اس کا رنگ یا اس کے اوصاف جو اس کے وجود سے وابستہ تھے - خود بخود معدوم ہو جائینگے - اور کوئی ان کا نام تک نہیں لیگا۔

( )

ثبوت مقصد

مضمون کی طوالت نے شاید آپ کو بھلا دیا ہو کہ ہم ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں ۔ اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں ۔ اس میں ہمیں کامیابی کس حد تک ہوئی ہے ۔ تو اصل بات یہ ہے ۔ کہ ہم بشریت النبیؐ کے مصنف سید نور الحسن شاہ بخاری کے قائم کردہ دو مقدمات میں ایک مقدمہ ثابت کر رہے ہیں ۔ اور اس میں کامیابی یا عدم کامیابی آپ کے سامنے ہے ۔ اسے پڑھئے اور بار بار پڑھئے ۔ تو آپ کو ہماری کامیابی یا عدم کامیابی میں کوئی شک و شبہ نہیں رہے گا ۔ وہ دو مقدمات کیا ہیں ۔ جن پر بخاری صاحب نے آئندہ گفتگو و بحث کی بنیاد رکھی ہے ۔ وہ دو مقدمات یہ ہیں ۔ ان کو پڑھ کر ذہن میں رکھئے ۔ اور دلائل پر غور کیجئے :

مقدمہ اول :۔ اگر نور ۔ بشر سے اشرف و اکرم ہے ۔ تو حضورؐ کو بشر نہیں کہنا ہوگا ۔ نور کہنا ہوگا ۔

مقدمہ دوم :۔ اگر بشر نور سے برتر و افضل ہے ۔ تو حضور کو نور نہیں ماننا ہوگا ۔ بشر ماننا پڑے گا ۔"

پھر ان مقدمات کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:۔۔۔۔۔

"تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر۔ اس بحث سے پیشتر یہ بحث کر لینی چاہیئے کہ خلق عالم میں نور افضل ہے یا بشر، تخلیقات ربانی کا شاہکار بشر ہے یا کوئی اور (ص۳۳) ہم نے بالدلائل ثابت کیا گیا ہے۔ کہ نور افضل ہے۔ اقدم ہے۔ اولیت کا حامل ہے۔ اکرم ہے۔ اس کے مقابلہ میں بشر، مفضول ہے۔ مؤخر ہے۔ بالذات کچھ نہیں بلکہ نور کا طفیلی ہے۔ اور اپنے وجود تک میں نور کا محتاج ہے۔ عناصر کا ابھی تک ہیولیٰ بھی نہیں تھا۔ کہ ہزاروں برس پہلے نور اپنے اوصاف حمیدہ سے موصوف ہو کر حمد و ثنا میں مشغول اور مشاہدہ الٰہی میں مستغرق تھا۔ نور کی تخلیق کے ہزاروں برس بعد میں عناصر نور کے توسط سے عالم وجود میں آئے۔ ان کے وجود پذیر ہونے کے ہزاروں برس بعد بشر کی مٹی گوندھی گئی۔ اور خدا معلوم کتنا عرصہ تک وہ گلتی سڑتی رہی۔ جب خوب گل سڑ کر اس کا خمیر ابھر آیا تو فرشتوں نے آدم کا پتلا بنایا۔ وہ پتلا خشک ہو کر جب ٹن ٹن کرنے لگا۔ اور پوری صلصال کی صورت اختیار کر چکا۔ تو اس نور کے ظل و عکس سے ایک دوسری مخلوق وجود پذیر ہوئی۔ جس کا نام روح رکھا گیا۔ لیکن یہ روح اس مبداء نور کے فیضان سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔ اور اس میں نور کے اوصاف وانوار پوری طرح منعکس و جلوہ گر تھے۔ اور اسے اس مبداء نور سے اتنا قریب کا تعلق تھا۔ کہ آج اس کی حقیقت و کنہ کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ یہ الگ امر ہے۔ کہ خداوند عالم نے خود اس مبداء نور کے توسل

اور واسطہ سے کسی مقرب کو بہرہ ور کیا ہو۔ کلاً یا جزءً

قل الروح من امر ربی، کا راز اور بھید یہ ہے۔ کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جسے مبداء فیاض۔ خلاق عالم سے اتنا قریب کا تعلق ہے۔ کہ اس کی حقیقت و کنہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور وہ اتنا طول وطویل۔ وسیع و عریض سمندر ہے۔ جس میں شناوری کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور روح جو مبداء نور کا ظلی نام ہے اسے مبداء نور سے اتنا قریب کا تعلق و رابطہ ہے۔ کہ اس کے رموز و حقائق سے آگاہی کی کسی کو ہمت و یارا نہیں۔

لطیف اشیاء کی تخلیق کا نام امر ہے۔ اور عالم امر کے سّر اور بھید کو پانے کی جسم عنصری کو کیا ہمت اور جرأت۔ یہ الگ امر ہے۔ کہ لطیف کے تعلق و واسطہ سے کثیف عناصر جل چکے ہوں۔ اور اپنا وجود ختم کر چکے ہیں۔ تو اس صورت میں بہ رضا مندی مبدء خلائق کچھ حصہ و نصیبہ کی توقع ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور سے روح کے متعلق سوال ہوا۔ تو ارشاد خداوندی ہوا۔

قل الروح من امر ربیّ

اس کی تخلیق امر کے ذریعہ ہے۔ اور امر کے ذریعہ جو مخلوق عالم وجود میں آتی ہے۔ اسے مبداء نور سے اتنا قریب کا تعلق ہوتا ہے۔ کہ اسے پانے کی ایک جسم عنصری میں استعداد ہی نہیں۔ یہ الگ امر ہے۔ کہ عناصر جل سڑ کر ختم ہو جائیں۔ کیونکہ عناصر، امر کے عروج و ترقی کے لیے موانع اور رکاوٹیں ہیں۔ ان کی اپنی کب و تاب

سے موجودگی اپنے متعلق کی ترقی و عروج کے راستہ میں مضبوط رکاوٹ ہیں۔ پہلے انہیں راستہ سے ہٹانا ہوگا۔ پھر جاکر کہیں حصہ و نصیبہ سے بہرہ ور ہوگا۔

بہرحال۔ اس پتلہ میں جو صلصال کی صورت اختیار کرچکا تھا۔ اس رشح کو جو مبداء نور کا اولین و طاقتور۔ مضبوط۔ فیض ہے جس میں مبداء نور اپنی پوری شان و شوکت سے جلوہ گر ہے۔ اور وہ مبداء نور کا اولین اور بلاواسطہ فیض ہے۔ اور اس کا کامل فرد و مظہر اتم ہے۔

اس مبداء نور کے مظہر اتم اور فرد کامل کو اس پتلۂ صلصال میں پھونک دیا گیا جیسا کہ ارشاد ربی ہے۔

فنفخت فیہ من روحی۔

روحی کا اشارہ سمجھنے اور غور کا مستحق ہے۔ روحی کے کیا معنے۔ پھونک دی میں نے اس میں اپنی روح۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ روح کے معنے نور کے ہیں۔ ایک ظاہر بین یونہی معنے سمجھے گا۔ کہ اپنے نور ازلی۔ ابدی غیر مخلوق سے اسی جنس و اوصاف کا ایک ٹکڑا جدا کر کے اس میں پھونک دیا۔ یہ معنے کسقدر بھونڈا اور واقعات کے خلاف ہزاروں محالات و مشکلات کو اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ اور بالکل غلط اور پھر پوچ ہے۔

"صحیح و درست معنے"

بلکہ اس کا صحیح و درست۔ مبنی بر حقائق مطابق مزاج اسلام و فرمودات

پیغمبرؐ کی روشنی میں اس کا معنے یہ ہے۔ کہ وہ نور جس کی تخلیق جملہ عالم کی تخلیق سے اولیت واقدمیت کی حامل ہے۔ وہ نور خلاق عالم و مبداء فیاض کا مظہر اتم ہے۔ اور وہ جملہ اوصاف جو ایک ممکن وحادث میں سمو سکتے ہیں۔ اس میں سمو دیئے گئے ہیں اور اسے بقایا جملہ مخلوق کے لیے مبداء فیاض قرار دیا گیا ہے۔ وہ نور خلاق عالم کی نسبت سے مخلوق ہے۔ حادث ہے۔ محدود ہے۔

لیکن بقیہ کائنات کی نسبت سے قدیم ہے۔ لامحدود ہے۔ لامکانی ہے۔ مستحیل الکنۃ والحقیقہ ہے۔ نہ کوئی دوسرا اس کی کنہ وحقیقت کو جانتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے لیے حدود و احاطہ کی جرأت کر سکتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی اس کے لیے مکان ومستقر معین کر سکتا ہے۔ نہ ہی وہاں قرب ہے۔ نہ بعد اور نہ ہی وہاں شرق وغرب ہے" یا فوق و تحت"، اور جملہ کائنات کو انبیاء سمیت اس کی طفیلیت کا شرف حاصل ہے۔ اور اس کے سب محتاج وممنون ہیں۔

نفخت فیہ من الروحی۔ حضرت آدم علیہ وسلم کے صلصال پتلہ میں جو روح پھونکی گئی تھی۔ اور بکمال احترام۔ عزو شرف کے اظہار کے لیے خداوند عالم نے اسے "من الروحی" کے باکمال جوہرے (جس کے ایک ایک حرف سے ہزاروں شرف ٹپکتے ہیں) تعبیر فرمایا۔ کیونکہ نور جس کا دوسرا نام روح ہے۔ اس مبداء نور کا مظہر اتم ہے۔ اور عکس وظل کا فرد کامل ہے۔ اور اسی اتمیت واکملیت نے اسے "روحی" کی مقدس ومکرم تعبیر کا مستحق بنا دیا ہے۔ اور اسی مقدس نسبت وتعلق نے اسے مسجود ملائکہ ہونے کا مستحق

قرار دیا ہے ۔ آدمؑ کے صلصال عناصر نے اسے کچھ نہیں دیا ۔ بلکہ اس نور کی نسبت نے (اس گلی سڑی مٹی و آس کے دوسرے رفقاء عناصر جنہیں بنانے میں دخل ہے) کو قابل عزو احترام بنا دیا ہے ۔ مقام غور ہے ۔ کہ ان حقائق کی موجودگی میں کوئی جاہل ہی ہوگا ۔ جو بشریت کو "نور" پر ترجیح دے ۔ اور بشریت کو نور سے افضل و خلاق عالم کا شاہکار قرار دے ۔

"مخالف کیمپ"

میں جو مقام رفیع مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو حاصل ہے ۔ متاخرین وہابیہ میں کسی دوسرے کو وہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں ۔ اور اسی طرح اس کیمپ میں شاہ اسماعیل دہلوی کو جس اونچی اسٹیج پر بٹھانے کی کوشش کی گئی ہے ۔ اس گروہ اور کیمپ سے کسی دوسرے فرد کو شاہ اسمٰعیل دہلوی کی مسند پر بٹھانا بھی اب بہت مشکل نظر آتا ہے ۔ متقدمین میں حضرت علامہ ابن خلدون ۔ اور صوفیا اہل کشف و واردات میں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا مقام بہت بلند ہے ۔

ان تمام حضرات نے متفقہ و متحدہ فتویٰ صادر فرما دیا ہے ۔ جو ان کی مصنفہ کتب میں محفوظ و مامون ہے ۔ اور ہم نے ان کی عبارتوں کو من و عن نقل کیا ہے ۔ یہ تمام حضرات ہمارے اس نظریہ سے متفق ہیں ۔ کہ اولیت ۔ اقدمیت ۔ افضلیت نور کو حاصل ہے ۔ اور بشریت اس کے تابع فرمان ہے ۔ اول تو بشریت نے ایک

بہت بڑے گروہ بلکہ اکثریت کو قعر ذلت کے گڑھے میں گرا دیا۔ اور اس کو عزو شرف سے خالی کر دیا ہے۔ جو مقصد تخلیق تھا۔ اور جن افراد کو عزو شرف اکرام و احترام نصیب ہوا۔ انکی بشریت تابع فرمان ہو کہ پوری طرح منقاد و مطیع ہو چکی ہے۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو مٹا اور جلا کر اپنی ہستی و خودی کو ختم کر کے اپنے تقاضوں اور خواہشات سے دست برداری کا اعلان کر دیا ہے۔ اور جہاں کہیں اس کی انانیت و خواہشات کا شمہ باقی رہا۔ حقارت و نفرت کا حقدار بنا دیا ہے۔ عیاذاً باللہ۔

"انسان کامل"

"انسان کامل" حضرت سید عبدالکریم بن ابراھیم جیلانی رح کی تصنیف کا نام ہے۔ اس کا ترجمہ جناب مولانا فضل میراں مرحوم و مغفور نے کیا ہے۔ مصنف کا دعوٰے جو اس نے اپنی کتاب کے شروع میں سبب تالیف کتاب ہٰذا کے ماتحت تحریر کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

"میں نے کشف صریح پر کتاب کی بنیاد رکھی۔ اور صحیح روایات سے اس کے مسائل کو مؤید کیا۔ اور اس کا نام "الانسان الکامل فی معرفتہ الاواخر والاوائل" رکھا" (جلد ۱ صفحہ ۱۸) مصنف کتاب ہٰذا نے روح اور جسد کے متعلق بہت عمدہ بحث کی ہے۔ اس لئے میں اس کا اہم حصہ نقل کر کے قارئین کے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

"روح مخلوق اور روح الٰہی" کے زیر عنوان تحریر کرتے ہیں :—

"جاننا چاہیئے۔ کہ محسوسات کی ایک روح مخلوق ہے۔ جس کے ساتھ اس کی صورت قائم ہے۔ روح اس صورت کے لئے ایسی ہے۔ جیسے لفظ کے معنے۔ پھر اس روح مخلوق کے لئے ایک روح الٰہی ہے۔ جس کے ساتھ وہ روح قائم ہے۔ اور وہ روح القدس ہے۔ پس جس نے انسان میں روح القدس کی طرف دیکھا۔ اسی نے اسے مخلوق دیکھا۔ اس لئے کہ دو قدموں کا وجود نہیں پایا جا سکتا۔ قدم صرف ایک اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اس کی ذات سے اس کے جمیع اسماء وصفات لاحق ہیں۔ اس لئے کہ ذات سے ان کا انفکاک محال ہے۔

اور ماسوا اس کے جو ہے۔ مخلوق وحادث ہے۔ مثلاً انسان کا جسد ہے اور وہ اس کی صورت ہے۔ اور روح ہے۔ اور وہ اس کا متراد یا اس کا معنی ہے اور وہ روح اور وجہ ہے۔ جو روح القدس سرّ الٰہی۔ وجود ساری سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر چونکہ اس پر وہ امور غالب ہیں۔ جن کا اس کی صورت تقاضا کرتی ہے۔ اور جو بشریت اور شہوانیت سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس کی روح اس رسوب معدنی کو حاصل کرتی ہے۔ جو صورت کی اصل اور اس کے محل کی منشاء ہے۔ حتیٰ کہ نزدیک ہے۔ کہ مقتضیات بشریہ کے جاگزیں ہونے کی وجہ سے وہ اپنے عالم اصلی سے مخالفت کرے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے اطلاق وتجرد روحی سے تنزل کر کے صورت کے ساتھ مقید ہو گئی ہے۔ اور طبیعت وعادت کی قید میں پھنس گئی ہے۔ اور

دنیا میں مثل سجین کے ہے۔ جو دار الآخرت میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وہ عین سجین ہے جس میں روح قرار پکڑے ہوئے ہے۔ لیکن سجین آخرت آگ کی صورت میں محسوس ہوگی۔ اور یہ یعنی سجین دنیا میں مذکورہ معنے ہیں...... یعنے طبیعت۔ عادت و شہوانیت سے مراد ہے۔ اس لئے کہ آخرت وہ مقام ہے جس میں معانی محسوس صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ فافہم

روحانی لطافت کے ذرائع

جب ہمیشہ کے مراقبہ۔ اور فکر صحیح۔ کم کھانے۔ کم سونے۔ کم بولنے اور مقتضیات بشریہ کے ترک کرنے سے انسان پر روحانی امور کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور وہ روحی لطافت کو حاصل کرتا ہے۔ تو اس وقت اس کا حال اس مذکورہ حال کے برعکس ہوتا ہے۔ پھر وہ روحی لطافت پر چلتا ہے۔ ہوا پر اڑتا ہے۔ دیواریں اس کو روک نہیں سکتیں۔ اور شہر اس کو دور نہیں معلوم ہوتے" پھر اس کی روح موانع کے دور ہو جانے کی وجہ سے اپنے محل میں متمکن اور قائم ہو جاتی ہے۔ اور وہ موانع مقتضیات بشریہ ہیں۔ پھر وہ مخلوقات کے اعلے مرتبوں میں ہو جاتا ہے اور وہ عالم ارواح ہے۔ جو ان قیود سے آزاد ہے۔ جو اجسام کی ہمسائیگی میں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ؎

"اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ"

کہ ابرار ہمیشہ نعمتوں میں ہونگے۔

پھر جب شہود الٰہی سے حالات اس پر غالب آتے ہیں۔ اور وہ اس کے اسماء حسنیٰ وصفات علیا مع ان امور کے ہیں۔ جن کی بشریت و روحانیت تقاضا کرتی ہے تو وہ اس وقت قدسی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ بشریت ان خواہشات کا مطالعہ کرتی ہے۔ جن کے لئے جسم کا قیام ہے۔ اور ان امور کو چاہتی ہے۔ جن سے طبیعت معتاد ہو گئی ہے۔

اور روحانیت ان امور کا تقاضا کرتی ہے۔ جن کے ساتھ جاہ علو منزلت۔ و رفعت سے مانوس انسانی کا قیام ہے۔ اس لئے کہ روحیت اس جاہ۔ شوکت سطوت وغیرہ سے بلند مرتبہ رکھتی ہے۔

پھر جب انسان روحیت۔ اور بشریت کے مذکورہ مقتضیات کو ترک دیتا ہے اور ہمیشہ اس سر کے شہود میں رہتا ہے۔ جس سے اس کی اصل ہے۔ تو سر الٰہی کے احکام اس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تو پھر اس کی ہیکل اور اس کی روح نشیب بشریت سے روح قدس تنزلیہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ حق اس کا کان۔ آنکھ ہاتھ۔ اور پاؤں بن جاتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے ہاتھ سے کسی کو چھوتا ہے۔ تو اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتا ہے۔ اور جب کسی چیز کے لئے کہتا ہے۔ ہو جا۔ تو وہ اللہ کے امر سے ہو جاتی ہے۔ وہ روح القدس سے مؤید ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسےٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے۔ جب کہ یہ وصف ان کو حاصل ہوا۔

ایدّناہ بروح القدس

ہم نے روح القدس سے اس کی تائید کی ۔ فافہم ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (انسان کامل ص ۲۲۳-۲۲۴)

بشریت اور نور کا تقابل ۔ توازن اور تناسب آپ نے معلوم کرلیا ۔ بشریت باوجود احترام و اکرام کے نور کے سامنے کتنی بے بس وبے وقعت نظر آتی ہے ۔ فی ذاتہ خدا کی ہر مخلوق کا ایک مقام ہے ۔ افادہ ہے ۔ اور خدائے ذوالجلال کی حکمتوں کا نادر نمونہ ہے ۔ لیکن ایک مخلوق کو دوسری کے سامنے رکھ کر موازنہ کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ان میں بڑا فرق ہے ۔ ایک کو دوسری سے انتہا نہ ہے ۔ اور عند اللہ وعند الناس ان کے مختلف مدارج و مناصب ہیں ۔ جنہیں ملحوظ خاطر رکھے بغیر نہیں بنتی ۔ اسی لئے تو کسی بزرگ نے کہا ہے ۔ ع

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

بشریت قابلِ احترام ہے ۔ لائق عزت ہے ۔ خداوند عالم کی خلّاقی کا شاہکار ہے ہم اسے اپنا صحیح مقام دینے کے لئے مجبور و مامور ہیں ۔ اور اگر ہم اس کو اس کا صحیح مقام نہیں دیتے ۔ تو یہ زندیقی ہوگی ۔ لیکن "نور" کا اپنا مقام ہے ۔ اور اس کی معرفت تاحد امکان رسائی ۔ اور اس کا عزو احترام اپنا جداگانہ مقام رکھتا ہے ۔ جہاں بشریت کو گزر کی اجازت نہیں دی گئی ۔

اب ہم اس کتاب سے ایک اہم اقتباس نقل کرتے ہیں ۔ جو نہ صرف یہ کہ ہمارے

مقصد کے لئے مؤید و ممد ہے۔ بلکہ نورِ محمدی۔ حقیقت محمدی کے علو شان و مرتبہ۔ ایک الہامی نص ہے۔ اور تمام اہل کشف حضرات جنہیں کتاب و سنت کے تطابق کی اہمیت جملہ امور سے اہم و اقدم ہے، وہ سب مختلف انداز بیان کے باوجود مفہوم و معانی میں متحد و متفق ہیں۔ اور جب تک ایک انسان اپنے مجاہدات سے اپنے لئے وہ مقام نہ پیدا کرے۔ (جسے صوفیہ کی اصطلاح میں واردات۔ انکشاف، اور تجلیات الٰہیہ سے تعبیر کرتے ہیں)

اس وقت تک کتاب و سنت کا صحیح مفہوم سمجھنا ایک مشکوک امر ہے۔ اور شیطانی رہنمائی سے قرآن و سنت کی تعبیر میں بھٹک جانے کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔ جس سے پوری حفاظت و مامونیت اس مقام رفیع کے بغیر ناممکن ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے۔ کہ انسان قرآن و سنت کی تعبیر و تفسیر میں ان حضرات کا مقلد و متبع ہو جائے جنہیں خداوند عالم نے وہ مقام رفیع اعطاء و موہبت فرمایا ہے۔ میں بتانا یہ چاہتا ہوں۔ کہ جو اقتباس میں "انسان کامل" سے پیش کر رہا ہوں۔ اس میں مصنف کتاب ہذا کو تفرد اور کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ جسے صرف انہوں نے بیان کیا ہو۔ اور دیگر عرفاء معانی و مفہوم سے بالکل بے خبر و بے بہرہ رہے ہوں۔ البتہ انداز بیان اپنا اپنا ہے۔ الفاظ اور ان کا انداز بیان اپنا اپنا۔ عبارت میں ضعف و قوت کا بھی اختلاف ہوتا ہے۔ ابہام و تشریح یا اختصار و طوالت عبارت ہر ایک کے اپنے مذاق کے مطابق ہوتی ہے

اور مراتب انکشاف میں بھی کمی یا بیشی کا امکان موجود ہے۔ اور یہ اختلاف یا امتیاز اس خلاق عالم کی ودیعت و موہبت پہ موقوف ہے۔ لیکن اصل مفہوم و مقصد اقتضے میں سب متفق و متحد ہیں۔ (مولف)

اب ملاحظہ فرمایئے "انسان کامل" کے مصنف کا بیان نامی فرشتہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

"نامی فرشتہ"

جاننا چاہئے۔ کہ یہ وہ فرشتہ ہے۔ جس کا نام صوفی اپنی اصطلاح میں حق رکھتے ہیں۔ جو اسی کے ساتھ مخلوق ہے۔ اور حقیقت محمدیہ بھی اسے کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس فرشتہ کی طرف اس نظر سے دیکھا ہے۔ جس نظر سے اپنے نفس کو دیکھا ہے۔ پھر اسی "نور" سے پیدا کیا ہے۔ اور جمیع عالم کو اس سے پیدا کیا ہے (مراد حقیقت محمدیہ مولف) اور اس کو عالم سے اپنی نظر کا محل قرار دیا ہے۔ اور اس کے ناموں میں سے ایک "امر اللہ" ہے۔ وہ اشرف الموجودات ہے۔ تمام موجودات سے اس کا مرتبہ اعلیٰ اور اس کی منزلت بہت بلند ہے۔ اس کے اوپر کوئی فرشتہ نہیں ہے۔ وہ "سید المقربین" "افضل مکرمین" ہے۔ خدا نے موجودات کی چکی کو اسی پر پھرایا ہے۔ اور اسے اپنی مخلوق کے فلک کا "قطب" بنایا ہے باوجود اس کے کہ ہر شے جس کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک وجہ رکھتی ہے

جس سے وہ اس کے ساتھ ملحق ہوتی ہے۔ اور جس مرتبہ میں خدا تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ اس میں اس کو نگاہ رکھتا ہے۔ اس کی آٹھ صورتیں ہیں۔ جو حاملین عرش ہیں۔ اسی سے تمام علوی اور عنصری فرشتے پیدا کئے گئے ہیں۔

پس ملائکہ کی نسبت اس کے ساتھ وہی ہے۔ جو قطروں کو سمندر کے ساتھ ہے۔ اور وہ آٹھ فرشتے جو حاملین عرش ہیں۔ ان کی نسبت اس سے روح انسان کی ان آٹھ چیزوں کی سی نسبت ہے۔ جن کے ساتھ وجود انسان کا قیام ہے۔ وہ آٹھ وجود انسانی کو قائم رکھنے والی یہ چیزیں ہیں:

عقل ۔ وہم ۔ فکر ۔ خیال مصورہ ۔ حافظہ ۔ مدرکہ نفس ۔ اور اس فرشتے کے لئے عالم افقی، عالم جبروتی، عالم علوی، عالم ملکوتی، عالم ملکی میں ایک ہمیتہ الہیہ یعنی الٰہی نگہداشت ہے۔ جس کو خدا نے اس فرشتہ میں پیدا کیا ہے۔ وہ اپنے کمال کے ساتھ حقیقت محمدیہ میں ظاہر ہوا ہے۔

اس لئے حضور علیہ السلام افضل بشر ہیں۔ اور اسی سے حق تعالےٰ نے ان پر احسان جتلایا ہے۔ اور ان نعمتوں کے ذریعہ ان کو مدد دی۔ جن کا اللہ تعالےٰ نے ان کی طرف ہاتھ پھیلایا ہے۔ یعنی فیضان کیا ہے:

فکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نہدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتہدی الی صراط مستقیم ۔ الآیہ ۔

یعنے ہم نے ترے روح کے لئے ایک فرشتہ کی وجہوں یعنی رخوں میں سے ایک کامل وجہ یعنی سرخ بنایا ہے۔ جو ہمارا امر ہے۔ اس لئے اس فرشتہ کا نام ہی "امر اللہ" ہے اور اسی طرف اس کے قول میں اشارہ ہے کہ فرمایا "من امر ربی" یعنی اس کے وجہوں میں سے ایک وجہ ہے۔

نکتہ:۔ جب روح کی بابت یہودیوں کے سوال میں روح کا مطلق ذکر تھا۔ جیسا کہ فرمایا "یسئلونک عن الروح" تو جواب میں بھی اس کو مطلق رکھا۔ اور فرمایا۔

قل الروح من امر ربی: یعنی وجہ امر میں سے ایک وجہ ہے۔

بخلاف محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی روح کے کہ اس کی نسبت فرمایا۔ "کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا" اور اس کا ذکر اہتمام کے ساتھ فرمایا۔ اور اس وجہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کی وجہ سے اس کو نکرہ رکھا۔ تاکہ اس کی عظمت قدر پر تنبیہ ہو۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا:۔

یوم مجموع لہ الناس۔ الآیہ

اس میں یوم کی تنکیر اس عظمت کا فائدہ دے رہی ہے۔ پھر دیکھو۔ "روحا من امرنا" فرمایا۔ اور یہ نہ کہا۔ کہ اوحینا الیک من امرنا۔ اس لئے کہ مقصود اس کے وجود سے تھا۔ کیونکہ ہیکل انسانی سے مقصود روح ہی ہے دیکھو کہ اپنے قول "من امرنا" کو نون اضافت کے ساتھ لایا۔ یہ سب حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بزرگ قدری پر تنبیہ ہے :-

"ذات الٰہی کا آئینہ"

پھر جاننا چاہیے ۔ کہ حق تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ سوائے اس فرشتہ کے اور کسی شئی میں ظاہر نہیں ہوتا ۔ باقی مخلوقات میں اس کا ظہور صفات کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اور وہ دنیوی عالم اور اُخروی عالم ۔ اہل جنت و اہل اللہ ۔ اہل الکثیب ۔ و اہل الاعراف ۔ کا قطب ہے ۔ علم الٰہی میں حقیقت الٰہیہ نے تقاضا کیا ۔ کہ وہ کسی شئے کو پیدا نہیں کرتا ۔ مگر اس حال میں کہ اس میں اس فرشتہ کی کوئی وجہ ہوتی ہے ۔ کہ اس مخلوق کا فلک اس وجہ پر گردش کرتا ہے ۔ اور وہ وجہ اس مخلوق کے لئے قطب ہوتی ہے ۔

اور سوائے انسان کامل کے خلق خدا سے کوئی شئے اس فرشتہ کو شناخت نہیں کر سکتی ۔ پھر جب ولی اس کو شناخت کر لیتا ہے ۔ تو سب چیزیں اس کو جان لیتی ہیں پھر جب وہ اس سے متحقق ہوتا ہے ۔ تو وہ قطب بن جاتا ہے ۔ تمام وجود کی چکی اس پر گھومتی ہے ۔ وہ اس فرشتہ کا نائب ہوتا ہے ۔ اور بحکم اصالت اس وجود میں قطبیت اسی فرشتہ کے لئے ہوتی ہے ۔ جو اسی کا ملک ہوتی ہے ۔ اور بحکم نیابت و عاریت اس کے غور کے لیئے ہوتی ہے ۔

پس تو پہچان ۔ اس لئے کہ وہی روح ہے ۔ جس کا کتاب الٰہی میں ذکر آیا ہے ۔

چنانچہ فرمایا۔

یوم یقوم الروح والملائکۃ صفاً لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن وقال صواباً۔ ذالک الیوم الحق، الآیۃ

یعنی جس دن کہ یہ فرشتہ دربار الٰہی میں کھڑا ہوگا۔ اور دوسرے فرشتے اس کے آگے اس کی خدمت میں صف باندھ کر کھڑے ہونگے۔ اور وہ عبودیت حق میں قائم ہوگا۔ اور جیسا کہ خدا تعالےٰ نے اسے حکم دیا ہوگا۔ وہ اس حضرت۔ یعنی مشہد میں متصرف ہوگا۔

قولہٗ: لا یتکلمون۔ کہ وہ کلام نہیں کرینگے۔ یہ دوسرے فرشتوں کی صفت ہے۔ نہ کہ اس فرشتہ کی۔ اس لئے کہ اسے مطلق طور پر دربار الٰہی میں کلام کرنے کا اذن حاصل ہے۔ کیونکہ وہ مظہر اتم ہے۔ اور مجلیٰ افضل ہے۔

اور دوسرے فرشتے اگرچہ ان کو دربار الٰہیہ میں کلام کا اذن ہوگا۔ مگر وہ بجز ایک کلمہ کے زیادہ کلام کی تاب نہیں رکھ سکیں گے۔ اور کلام میں ان کو ہرگز گنجائش نہیں ہوگی۔ بس سوائے ایک کلمہ کے اور ان کے منہ سے نہیں نکلے گا۔ اولاً جس فرشتہ کو حق سے حکم ملے گا۔ وہ یہ فرشتہ ہوگا۔ پھر وہ اس حکم کو دوسروں فرشتوں تک پہنچا دیگا۔ اور وہ اس کا لشکر ہیں۔

جب عالم میں کسی امر کے نفوذ کا حکم دیتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اس سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جو اس امر کے لائق ہوتا ہے۔ پھر روح فرشتہ اس کو بھیج دیتا ہے۔ اور وہ

فرشتہ وہ کام کرتا ہے۔ جس کا روح فرشتہ اس کو حکم دیتا ہے۔ تمام مقرب فرشتے اسی روح سے پیدا کئے گئے۔ مثلاً جبرائیل۔ میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل اور جو ان کے اوپر ہیں۔ مثلاً وہ فرشتہ جس کا نام نون ہے۔ اور وہ ایک فرشتہ ہے۔ لوح محفوظ کے نیچے قائم ہے۔ اور وہ فرشتہ جو قلم کے نام سے موسوم ہے عنقریب اس کا ذکر اسی باب کے بعد آئیگا۔ اور وہ فرشتہ جس کا نام مدبر ہے۔ اور وہ ایک فرشتہ ہے۔ جو کرسی کے نیچے قائم ہے۔ اور وہ فرشتہ جس کا نام منفصل ہے۔ وہ امام جبین کے نیچے قائم ہے۔

یہ وہ عالی فرشتے ہیں۔ جن کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکمت الہیہ کی وجہ سے حکم نہیں ہوا تھا۔ اگر ان کو بھی سجدہ کا حکم ہوتا۔ تو اولاد آدم میں سے ہر ایک ان کو شناخت کر سکتا۔ کیا تو ان فرشتوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ جن کو سجدہ کا حکم ہوا تھا۔ کہ تمام بنی آدم پر وہ کس طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ ان پر امثال الہیہ میں نیند میں آن کے کے متصور ہوتے ہیں۔ جن میں حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے ظاہر ہوتا ہے۔

پس تمام صورتیں اللہ کے ملائکہ کی ہوتی ہیں۔ پھر اس ملک موکل کے حکم سے وہ اترتے ہیں۔ جس کو ضرب اللہ مثل کا کام تفویض کیا گیا ہے۔ پس وہ تمام کے لئے ہر صورت میں متصور ہوتا ہے۔ اسی لئے سونے والا خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ جمادات کوئی چیز اس سے کلام کر رہی ہے۔ اگر یہ صورت جمادیہ میں متصور نہ ہوتا۔ تو وہ کلام نہ کرتی۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ رویا صادقہ اللہ کی وحی ہے۔

اس لئے کہ فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوتا ہے۔ اور نیز فرمایا!۔۔۔۔۔

کہ سچا یا صادقہ نبوت کے چھیالیس ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ الحدیث

چونکہ ان ملائکہ میں جن کو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک ابلیس لعین بھی تھا۔ اور اس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے شیطانوں کو حکم دیا۔ یعنی وہ شیاطین جو اس کی ذریت ہیں۔ کہ وہ نائم کے لئے ان صورتوں میں متصور ہوں۔ جن میں ملائکہ متصور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خواب جھوٹے بھی ہوتے رہیں۔

حاصل کلام:۔۔۔۔ اس تمام کلام کا حاصل یہ ہے۔ کہ فرشتگان عالیہ کو سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ اسی لئے ان کی معرفت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مگر بنی آدم میں سے وہ بندے جو الٰہی ہوتے ہیں۔ اور یہ خداوند کریم کی ان پر بخشش ہے۔ اور ان کو یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ وہ احکام آدمیت سے خلاصی پا چکے ہیں۔ اور انہیں میں منسلک ہو جاتے ہیں۔ مراد احکام آدمیت سے بشری امور ہیں۔ کیا تو حق سبحانہ وتعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاحظہ نہیں کرتا!۔۔۔

ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی

استکبرت ام کنت من العالین

جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کون سی چیز مانع رہی۔ کیا تو نے تکبر کیا۔ یا تو عالین فرشتوں میں سے ہے۔ جن کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں ہوا۔

امام محی الدین ابن عربی

اسی بات کا امام محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں ذکر فرمایا ہے۔ لیکن کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا۔ کہ وہ عالیین میں سے ہے۔ پھر اس آیت مذکورہ سے دلیل لی ہے۔

(انسان کامل صفحہ ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸)

روح کے متعدد نام، اور حضرت مصنف "انسان کامل کی ملاقات"

جان کہ علی عادو وجوہ روح کے بہت سے نام ہیں۔ وہ قلم اعلیٰ سے نام رکھا گیا ہے اور روح محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور عقل اول بھی اس کے نام ہیں۔ اور روح الہی بھی اس کا نام ہے۔ اور یہ نام اصل کا فرع کے نام پر ہے۔ ورنہ اپنے میں اس کا ایک ہی نام ہے۔ اور وہ نام روح ہے۔ اس لئے ہم نے باب باندھنے کے عنوان میں اسی نام سے اس کو مخصوص کیا ہے۔ اگر ہم ان عجائبات وغرائبات کی شرح کرنے لگیں۔ جو اس فرشتہ میں جمع ہیں۔ تو کئی کتابیں اور جلدیں تیار ہوں۔

حضرت الٰہیہ میں ملاقات

پس اور وہ دونوں بعض حضرات الٰہیہ ادبی میں جمع ہوئے۔ پھر اس نے مجھے پہچانا۔ اور مجھ کو سلام کیا۔ اور میں نے اس کو سلام کا جواب دیا۔ حالانکہ میں غریب تھا۔ کہ اس کی ہیبت سے گداز ہو جاؤں۔ اور اس کے حسن خوبی وبہجت سے فنا ہو جاؤں

پھر جب بشاشت سے اس نے میرے ساتھ کلام کی - بعد اس کے وہ مجھ سے حیا کرتا تھا -

" مصنف کا روح سے سوال "

اور انس دلا کر شراب کا پرجوش و قوت جام اس نے پھرایا - تو میں نے اس سے اس کے مرتبہ - اس کی محتد یعنی اصل - اور اس کے حضرت - اور اس کے جائے اعتماد - اس کی اصل - اس کی فرع اس کی ہیئت - اس کی نوع - اس کی صفت - اور اس کے اسم - اور اس کے حلیہ اور اس کی رسم و دستور - کی بابت سوال کیا -

اس نے جواب دیا :- ———— کہ جس امر کی بابت تو نے سوال کیا ہے وہ ایک عزیز مقصد ہے - اس کا مقام بڑی عظمت والا ہے - تصریح سے اس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے - اور کنایہ و تلویح یعنی کسی بلند اشارہ سے اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے ————

میں نے اسے کہا - کہ تلویح و کنایہ سے ہی اسے بیان کر - شاید کہ تیری عنایت سے میں اس کو سمجھ جاؤں :————

پھر اس نے کہا :———— میں شراب ہوں - جس کا انگور اس خم شہود ہے - اور وہ فرع ہوں - جس نے اپنی اصل کو پیدا کیا - اور وہ تیر ہوں - جس کی قوس اس کی پیکان ہے ————

پس جب میں نے بظاہر اصول دیا میرا - تو حصول اور مقصد کی صورت کو میں نے

باندھا۔ اور اپنے نفس میں باگ موڑی۔ اور اپنی حس میں گھومنے لگا۔ اور ہیولی کی امانتوں کو میں نے اٹھایا۔ اور اس حضرت کا اپنے آپ پر حکم لگایا جس کا پہلے وصف ہو چکا ہے۔ تو میں نے خود اپنے آپ کو تمام کا بزرگ اور بڑے اور چھوٹے شیر خوار کی ماں پایا۔

یہ تو حضرت۔ اور امانت ہے۔ اور محتد۔ مکان اور مرتبہ کی بابت جان! ۔۔

کہ میں جب عین مشہود تھا۔ تو غیب میں میرے لئے ایک حکم موجود تھا۔ جب میں نے اس مضبوط حکم کو پہچاننا چاہا۔ اور اللہ کی جانب میں نے اس کے مشاہدہ کی کوشش کی۔ اور میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا۔ پھر حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے مجھے جگایا۔۔ اور اپنے اسم کی قسم و سوگند دلا کر کہا :۔۔۔

۔۔ قد افلح من زکٰھا وقد خاب من دسٰھا ؛۔

پھر جب قسمت حاضر ہوئی۔ اور میں نے اس چیز کا اندازہ کیا۔ جو مجھے اسم نے عطا کی۔ اسم سے میری مراد اس کا اسم ہے۔ یعنی روح ؛۔

حقیقت محمدیہ نے مجھ کو حضرت رسولیت کی زبان سے پاک کیا۔ پھر حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بزبان رسالت کہا :۔۔۔۔۔۔۔ کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے :۔۔۔ آدم میرے مظاہر میں صرف ایک مظہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور میرے ظاہر پر وہ خلیفہ قائم کیا گیا پھر میں نے معلوم کیا۔ کہ حق تعالےٰ نے بندوں میں سے مجھے مراد اور مقصود بنایا ہے :۔۔

پھر ناگہاں ایک مقام عظیم سے یہ جلیل القدر خطاب سنائی دیا ،، کہ تو قطب ہے۔ جس

پر افلاک جمال گھومتے ہیں :۔۔۔۔۔۔ " اور وہ آفتاب ہے جس کی ضو سے بدر کمال مدد لیتے ہیں " تو وہ ہے ۔ جس کے لئے انموذج کو قائم کیا اور زرفونج کو محکم کیا ۔ وہ چیز جس کا زرفونج سے کنایہ لیا گیا ہے ۔ ہند و سلما ہے (نام عورتوں کے ہیں) یا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے ۔" کہ وہ عزت اسما ہے " پس روشن و پاکیزہ اوصاف والے :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ " یہ سب کچھ تو ہی ہے ۔ نہ جمال تجھے دہشت میں ڈالے ؛ اور نہ جلال تجھے لرزائے " اور نہ پورے کمال کو تو دور سمجھ " تو نقطہ ہے ۔ اور وہ دائرہ ہے ۔ " تو پہننے والا ہے ۔ اور وہ لباس فاخرہ ہے " یہ جو مذکور ہوا ۔ روح کا قول تھا :۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

پھر میں نے کہا :۔۔۔۔۔۔۔۔ اے سید کبیر ۔ اور روئے علام خبیر ۔ میں تجھ سے تائید اور عصمت کا سوال کرتا ہوں ۔ مجھے حکمت کے موتیوں اور رحمت کے دریا ۔۔۔۔۔ سے خبر دے جن کا صدف تو نے میرے غیر کو بتایا اور جن کو تو نے میرے سوا میرے پانی سے چھپایا ۔ اور یہ طائر میرے غیر کے نام سے کیوں نامزد ہوا ۔ اور میرے سے اس امر کو کیوں چھپایا گیا ؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۱)

تجلیات کا مقصد

پھر جب اس نے اپنی تیز کار روکے سے اس کے جنگ کو معلوم نہ کیا: ———

تو کہا: ——— جان لے کہ حق تعالٰے نے اس بات کا ارادہ کیا: ———

کہ اس کے اسماء و صفات کی تجلی ہو۔ تاکہ خلقت اس کی ذات کو پہچانے۔ پھر ان کو مختلف مظاہر اور ذی تجیہ بواطن میں ظاہر کیا۔ اور وہ موجودات ذاتیہ ہے۔ جو مراتب الٰہیہ میں متجلی ہے ساعد اگر میں اس امر کو آزاد کردوں۔ درانحالیکہ اس کو ایک طرح رھ کے بھی رکھوں۔

"ولو لحق الامر کفلهاء" کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اگر میں اس امر کو بہت آزاد کردوں۔ اور اس بندہ کو آزاد کردوں۔ ایک طرح کارہ کرنا ——— تو تو رتبوں سے بے خبر ہو جائے۔ اضافات و نسبتوں کو گم کردے۔ اس لئے انسان جب اپنے غیر کو شاہد کرتا ہے۔ تو پوری مصائی حاصل کرلیتا ہے۔ اور اس پر اتباع سہل ہو جاتا ہے۔ اور لبقدر استطاعت اس اتباع میں فائدہ پاتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالٰے نے انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کتاب مبین۔ اور خطاب متین دے کر بھیجا۔ تاکہ وہ جان لے کہ اس کی ذات ادراک سے بالاتر ہے۔

کہ اس کا غیر اس کو شناخت نہیں کرسکتا - اور اس میں کوئی شرک کی بات نہیں :—

اور اسی لئے ہمارے سردو مند علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو فرمایا :— تخلقوا باخلاق اللہ - الہٰی اخلاق کو حاصل کرو تاکہ وہ اسرار جو انسانی ہیکل میں ودیعت رکھے گئے ہیں ظاہر ہو جائیں - اور اس سے عزت ربانی کا علو ظاہر ہو - اور مرتبہ رحمانیت کا حق معلوم کیا جائے :— بطریق حصر و اختصاص - اس کی معرفت کی کوئی راہ نہیں - جبکہ وہ خود اپنی طرف سے کہہ رہا ہے :—

"ما قدروا اللہ حق قدرہ"

یہ ہے - در حکمت و بحر رحمت - اور صدف کا تیرے سوا ہونا :— اور میں نے اس بحر کے موتی نہیں جانے - مگر تیرے پانی سے - پھر وہ چھلکا موزوں پر تاکہ کوئی نااہل حکمت و خطاب یعنی شرح حکمت کی طرف ترقی نہ پائے -

بیشک ام الکتاب میں یہی بات ہے :— اور تیرے طائر کا تیرے غیر کے نام سے موسوم ہونا - اس لئے ہے :— کہ تو بھلائی کو پورے طور پر حاصل کر سکے اور کتمان اور یعنی اس امر کو چھپانا - اس لئے ہے - کہ اس بحر میں کسی کو غوطہ لگانے کی طاقت نہیں ہے - اس لئے کہ عقول ادراک سے قاصر ہیں - اور ان کو اپنی قید سے رہائی اور خلاصی نہیں ہے

اور یہ سب جو مذکور ہوا - عبارتوں کے چھلکے اور اشارتوں کی قبریں ہیں - ہم نے ان کو چہرہ کا نقاب بنایا ہے - تاکہ وہ حجاب سے نااہلوں سے پوشیدہ رہیں :—

پس اگر فہم کتاب کی تجھ کو لیاقت ہے۔ تو اس کو سمجھ :–––––––

پھر وہ وجود جو ظواہر میں ظاہر ہے۔ یہ وہی کنوئیاں ہیں۔ جو بواطن میں پوشیدہ ہیں۔ اور ظواہر ان وجود پر پردے ہیں :–––––––

اور اس اوندھے اور لٹے امر کا پوشیدہ ہونا ایسی چیز ہے۔ جس میں فکریں حیران ہیں :––––– کہا راوی نے :––––––– پھر میں بار بار اس چیز کو پیتا ہوں جو میرے اسم۔ روح نے مجھے پلایا۔ اور باوجود سیراب ہونے کے جیسا کہ تھا۔ ویسا ہی پیاسا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اقتدار کا آفتاب چمکا۔ اور روز روشن کی طرح اسم کی فجر روشن ہوئی :––––––– ناگاہ ایک قمری پیدا ہوئی۔ جس نے میرے گھونسلے پر الاپنا شروع کیا۔ اس نے حال کو بیان کیا۔ پھر اس فرشتہ کے وصف میں جس کا نام روح ہے۔ یہ شعر پڑھے :–––––––

میں ان اشعار میں سے صرف ایک پیش خدمت کر کے " انسان کامل " کا اقتباس ختم کرتا ہوں۔ مؤلف ،

کل العوالم تحت مرکز قطبہا
ھی جمعہم وھو لھا اشتات

ترجمہ :- تمام عوالم اس کے قطب کے مرکز کی تحت میں ہیں۔ وہ ان سب کا مجموعہ ہے۔ اور وہ اس کے متفرقات ہیں۔ (انسان کامل صفحہ ۲۴۹ تا ۲۵۲)

مصنف نے کتاب کے شروع میں تصریح کر دی۔ کہ اس کتاب کے مضامین

مفاہیم کی بنیاد۔ الہامات و واردات وانکشافات پر ہے۔ جسے کتاب وسنت سے موید کیا گیا ہے۔

مصنف کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ انہوں نے الہامات۔ و واردات کی صداقت و حقانیت کے لئے چند قواعد مرتب کئے ہیں۔ اور فرمایا ہے۔ کہ جو کشوف و واردات ان اصول و قواعد کے مطابق ہیں وہ قبول۔ اور ان کی ایک دوسری قسم مردود اور ایک تیسری قسم کہ وہاں سکوت اور رکاوٹ ہے!

حضرت مصنف کتاب کے شروع میں ایک عنوان قائم کر کے اس کے تحت الہام کے متعلق چند مفید اور قیمتی مشورے دیتے ہیں۔ وہ عنوان حسب ذیل ہے۔

کتاب و سنت پر بنیاد

پھر میں ناظرین سے التماس کرتا ہوں۔ بعد اس کے کہ میں ان کو جتا دوں۔ کہ میں نے کوئی ایسی بات اس کتاب میں نہیں کہی۔ جو کتاب و سنت سے مؤید نہ ہو۔ اگر اسے خلاف کتاب و سنت کوئی بات معلوم ہو۔ تو یہ بحیثیت اس کے اپنے مفہوم کے ہوگا۔ نہ کہ بہ حیثیت میری مراد کے۔ جس کے لئے میں وہ کلام لایا ہوں۔ "پس چاہیئے۔ کہ وہ اس پر عمل کرنے سے رکا رہے۔ اور وہ اس امر کو خدائے تعالےٰ کے حوالے کرے۔ کہ خدا اس پر اس کی معرفت کھول دے۔ اور اس بات کی تجھے کتاب اللہ و سنت رسول سے بھی شہادت ملے گی۔

اور تسلیم و ترک انکار کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ تو اس سے اس کی مراد تک پہنچنے سے محروم نہیں رہے گا۔ کیونکہ جو ہمارے اس علم کا انکار کر دیتا ہے۔ وہ اس کی معرفت سے جب تک منکر رہے گا۔ محروم رکھا جائیگا۔ بلکہ اندیشہ ہے۔ کہ پہلی ہی دفعہ انکار کرنے سے وہ مطلقاً محروم رکھا جائے۔ سوائے ایمان و تسلیم کے اس علم کی شناخت کی اور کوئی سبیل نہیں۔

اور یہ بھی جان لے۔ کہ ہر وہ علم کہ کتاب و سنت سے جس کی تائید نہ ہو۔ ضلالت ہے نہ اس جہت سے کہ تجھے کتاب و سنت سے کوئی ایسی بات نہیں ملتی۔ جو اس کی موید ہو۔ حالانکہ علم بذات خود موید بہ کتاب و سنت ہوتا ہے۔

لیکن تیری قلت استعداد اس کے سمجھنے سے تجھے مانع رہتی ہے۔ تو اس بات پر قدرت نہیں رکھتا۔ تم تو اپنی ہمت سے اسے اپنے موطن و محل سے لاسکنے تو گمان کرتا ہے۔ کہ وہ کتاب و سنت سے موید نہیں۔ اور درحقیقت ایسا نہیں ہوتا۔

پس سوائے تسلیم ایمان۔ ترک عمل کے اور کوئی راہ نہیں :—— جس سے خدا تیرا ہاتھ پکڑ کر اس علم کی اصل حقیقت تک پہنچا دے۔ اس لئے کہ ہر علم جو تجھ پر وارد ہوگا۔ تین وجہوں سے خالی نہیں ہوگا :——

پہلی وجہ مکالمہ ہے۔ اور مراد اس سے وہ چیز ہے۔ جو تیرے دل پر حقانی دلی خواہش سے وارد ہو۔ پھر اس کی رد و انکار کی تو کوئی راہ نہیں۔ اس لئے کہ اپنے بندوں سے حق کا مکالمہ و اخبار بانجانبیت ایک ایسی مقبول شئے ہے۔ جس کو مخلوق

کبھی دفعہ نہیں کر سکتی۔

اور اپنے بندوں سے خدا کے مکالمہ کی علامت یہ ہے۔ کہ اس کلام سے لامحالہ سامع کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کا سمع کسی جہت سے مقید نہیں ہوتا۔ اگر وہ اسے کسی کلی جہت سنتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی جہت سے اسے سن نہیں سکتا۔ کیا تو موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں دیکھتا۔ کہ شجرہ مخصوصہ سے انہوں نے کلام الٰہی کو سنا۔ اور کسی خاص جہت سے اسے مقید نہیں کیا۔ حالانکہ وہ درخت بھی ایک حصہ ہے اور قبولیت میں خطرہ ملکی بھی خطرہ ربانی کے قریب ہے۔ لیکن اس کو وہ قوت حاصل نہیں۔ جو ہر جہت سے سنائی دے۔

ہاں جب اس کا اعتبار کیا جائے۔ تو ضرورتاً قبول کیا جاتا ہے۔ یہ بات صرف انہی امور کے متعلق نہیں ہے۔ جو مکالمہ سے علاقہ رکھتے ہیں۔ بلکہ تجلیات الٰہیہ کا بھی یہی حال ہے۔ جب کبھی انوار حق سے بندہ پر کسی نور الٰہی کی تجلی ہوتی ہے۔ تو پہلی ہی دفعہ وہ جان لیتا ہے۔ کہ وہ نور حق ہے۔ خواہ تجلی صفاتی ہو۔ یا ذاتی پھر وہ علمی ہو یا عینی۔

پھر جب کوئی شئے تجھ پر ظاہر ہوئی۔ اور تو نے پہلی ہی دفعہ سمجھ لیا کہ وہ نور حق ہے۔ یا اس کی صفت ہے۔ یا اس کی ذات۔ تو جان لے کہ وہ ٹھیک اسی ذات حق کی تجلی ہے۔ یہ قاعدہ اس لئے بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

الہام کا معیار۔

اور الہام الٰہی پر مبتدی کے عمل کرنے کی صورت یہ ہے ۔ کہ اسے کتاب و سنت پر پیش کرے ۔ پھر اگر ان دونوں سے اس کے شواہد پائے ۔ تو اسے الہام الٰہی جانے ورنہ بدون انکار اس پر عمل کرنے سے رکا رہے ۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ۔

اور توقف کا فائدہ یہ ہے ۔ کہ شیطان کبھی مبتدی کے دل میں ایسی چیز ڈال دیتا ہے ۔ جس سے وہ سمجھتا ہے ۔ کہ وہ الہام الٰہی ہے ۔ پس اس اندیشہ سے توقف کیا جائے گا ۔ کہ وہ الہام اس قبیل سے نہ ہو ۔

اور چاہیئے کہ صحیح طور پر توجہ و تعلق الی اللہ کو لازم پکڑے رہے ۔ یہ رعایت ان اصول کے جو مذکور ہوئے ۔ یعنی تسلیم و ایمان ۔ عدم انکار و ترک عمل و انتظار معرفت ۔ حتّٰی کہ خدا اس کی حقیقت کھول دے ۔

دوسری وجہ یہ ہے ۔ کہ علم ایسے شخص کی زبان پر وارد ہو ۔ جو اہل سنت والجماعت کی طرف منسوب ہو ۔ اس کا حکم یہ ہے ۔ کہ اگر تجھے اس کا شاہد یا اس کی صحیح تاویل اور محل معلوم ہو جائے ۔ تو بہتر ۔ ورنہ اس پر عمل سے رکا رہے ۔ اور اس کا بھی وہی طریق ہے جو مسئلہ الہام میں بیان ہوا ۔ یعنی توقف و تسلیم کے مابین رہنا ۔

تیسری صورت یہ ہے ۔ کہ علم ایسے شخص کی زبان پر وارد ہو ۔ جو مذہب سے خارج ہو کر بدعتیوں سے جا ملا ہو ۔ پس ایسا علم ترک کیا جاتا ہے ۔ لیکن دانا مطلقاً اس کا بھی انکار نہیں کرتا ۔ بلکہ اس سے اس شئے ،،،، کو قبول کر لیتا ہے ۔ جس کو ہر جہت سے کتاب

سنت قبول کرتی ہو۔ اور رد کرتا ہے۔ جس کو ہر صورت سے رد کرتی ہو۔ اہل قبلہ کے مسائل میں ایسی صورت کا کم اتفاق ہوتا ہے۔ کیونکہ بدعتیوں کی تاویل بھی کسی نہ کسی جہت سے صحیح ہوتی ہے۔ اور جس کو کتاب سنت ایک جہت سے قبول کرے۔ اور کسی دوسری جہت سے رد کرے۔ اس میں بھی یہی مسلک اختیار کرے۔

(انتہی بلفظہ انسان کامل صـ۲۲ـ۲۳)

جامہ بدلا جا سکتا ہے۔ اور اس کے مختلف اوقات میں مختلف متعارف ہو سکتے ہیں۔ لیکن ذات بحالہ قائم ہوتی ہے ہم نے "انسان کامل" سے وہ پوری عبارت نقل کردی ہے۔ جس کا ہمارے موضوع سے تعلق و رابطہ ہے۔ اس عبارت کو بالاستیعاب پڑھو۔ تو آپ کو نور و بشریت کے مقامات کھل کر سامنے آجائیں گے۔ اور کوئی حجاب باقی نہیں رہیگا۔ جو "بشریت" "نور" کے درمیان اشتباہ کا باعث ہو۔

تاہم فرشتہ۔ روح۔ عقل کل۔ وغیرہ اسماء حسنٰی اسی "نور" کی مختلف تعبیریں ہیں جس کا تذکرہ حدیث جابرؓ میں ہے۔ اور اس کی خلقت تمام کائنات سے اقدم و اول ہے۔ اب ہم ۴ (چوتھی)، ۵ (پانچویں) صدی کے مشہور فلاسفر و باخدا بزرگ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات و تدقیقات کو اپنی کتاب کی زینت بناتے ہیں۔ تاکہ ہماری کتاب کے قارئین کی تشنگی باقی نہ رہے۔ اور وہ ان جواہرات سے مستفید ہوں۔ جنہیں حضرت امام غزالیؒ نے اتھاہ سمندر میں غوطے لگا کر افادہ عام کے لیے سلک میں پرو کر منظر عام پر لایا ہے۔ اور اس تیقن و اطمینان سے انہیں

صفحات کاغذ پہ بکھیرا ہے۔ کہ شک و ریب کے شائبہ تک سے بھی انہیں ملوث نہیں ہونے دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دیر تھیم نہایت قرینہ اور سلیقہ سے ترتیب و تنظیم سے رکھے ہوئے ہیں۔ کہ باید وشاید۔ اور حضرت امام غزالیؒ ہر میدان کے شہسوار ہیں۔ علم شرائع میں انہیں دیکھئے تو ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔ اور علوم شرائع کو جب وہ طریقت و حقیقت کے سانچے میں ڈھال کر بیان کرتے ہیں۔ تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ شہود و معائنہ نے انہیں ایسا قطعی تیقن عطا فرمایا ہے۔ کہ جب کسی مسئلہ کو بیان کرتے ہیں۔ تو اس کی حقیقت و کنہ کے پوشیدہ راز عالم آشکار کر کے دم لیتے ہیں۔

اس وقت میرے سامنے ان کی کتاب "طب روحانی و جسمانی کا اردو ترجمہ مسمیٰ بہ مجربات امام غزالیؒ ہے۔ میں اس کتاب سے ایک طویل عبارت نقل کرتا ہوں۔ جو مسئلہ بشریت و نور پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ہر پوشیدہ گوشے کو کھول کھول کر واضح اور مشرح کرتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کی کتاب کا عنوان ہے ———

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے بیان میں

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (اے محمد! ہم نے تجھے گواہ بنا کر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنایا)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود فرمایا ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ (سب سے اول اللہ تعالےٰ نے میرے نور کو پیدا کیا) پھر یہ نور پھرتا رہا۔ کہ عظمت کے ساتھ جا ملا۔ پس اللہ تعالےٰ نے اس کے چار حصے کر دیئے۔ اور جزوِ اول سے عرش پیدا کیا۔ اور جزو ثانی سے قلم پیدا کیا اور اس سے فرمایا۔ اے قلم! لکھ۔ اس نے عرض کیا۔ کیا لکھوں؟ تو ارشاد ہوا کہ میری توحید اور میرے نبی کی فضیلت لکھ۔

تب قلم عرش کے گرد جاری ہوا اور اس نے لکھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہ پھر اللہ تعالےٰ نے جزوِ ثالث سے لوح کو پیدا کیا اور قلم سے فرمایا کہ لوح پہ لکھ قلم نے عرض کیا۔ اے پروردگار! کیا لکھوں؟ ارشاد ہوا۔ میرا علم اور جو کچھ میں قیامت تک پیدا کرونگا۔ سب کچھ لکھ دے۔ پس قلم لوح محفوظ پر لکھنے لگ گیا۔

نور کا چوتھا حصہ ایک عرصہ تک پھرتا رہا۔ یہانتک کہ عظمت سے جا ملا اور سجدہ بجا لایا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس کے پھر چار حصے کیے۔ پہلے حصے سے عقل کو پیدا کیا۔ اور اسے سر میں جگہ دی۔ اور جزوِ ثانی سے معرفت کو پیدا کیا اور سینہ میں اسے جگہ دی اور تیسری جزو سے دن سورج چاند اور آنکھوں کے نور کو پیدا کیا۔ اور چوتھے حصے سے عرش کے اوپر کا غلاف پیدا کیا۔ پھر آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے وہ نور ان میں ودیعت رکھا۔ چنانچہ سجدہ دراصل اسی نور محمدی کو ہوا تھا۔ عرش کا نور بھی نورِ محمدی سے ہے۔ اور دل کا نور بھی اسی نور سے ہے۔ اور لوح کا نور بھی

اُنہی کے نور سے ہے۔ اور نورِ عقل بھی آپ کے نور سے ہی ہے۔ اور نورِ معرفت بھی حضور کے نور سے پیدا ہوا۔ اور آدمؑ بھی آپ کے نور سے ہی پیدا ہوا اور دل کا نور بھی آپ کے نور سے ہے اور آنکھوں کا نور بھی آپ کے نور سے ہی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور اللہ تعالےٰ کے نور سے ہے۔

یہ حدیث عجیب بہت سے معانی کا مجموعہ ہے۔ اس کا انکار وہی شخص کریگا۔ جو کمالِ نبوت سے واقف نہ ہوگا۔ مگر جو شخص اس سے کماحقہ واقف ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان اس کے دل میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔ کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں نبی تھا حالانکہ آدم پانی اور مٹی میں تھے)

واضح رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام موجودات سے اسبق اور اکمل تھے۔ آپ کا جسم مبارک دوسری موجودات کی مانند نہیں تھا۔ بلکہ آپ اپنے نور و جوہر کی صفائی اور کمال ذاتی کے باعث ایک مفرد چیز تھے۔ بغیر کسی تغیر و تعلق اعراض کے اور موضوع وحیز وضع کے۔ آپ کا وجود باوجود زمین و مکان و زمان سے پہلے تھا اور آپ نور الٰہی اور نعمتِ ربانی تھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اپنے کنز مخفیا سے پیدا کیا اور اپنے علم صحیح اور پاک و صاف ارادے سے نکال کر عقل اول کی ذات میں مرکوز رکھا۔ جیسے کہ عالمِ کامل کے دل میں اچھا خیال مرکوز ہوتا ہے۔ یہ نبوت عقل اول کے ارادے میں اس طرح ہوگئی۔ جیسے مہندس کے دل میں فکر صائب

موجود ہوتا ہے ۔ مگر اس کا فاصلہ اس وقت مرتب ہوتا ہے ،
جب کہ وہ فکر قوت سے فعل کی طرف آتا ہے ۔ اور اس کے
موافق عمارت طیار ہوتی ہے ۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل اول کی ذات
میں تھی ۔ جو روحانیت کی عمارتوں کی مثال ہے ۔ پھر جب یہ نورِ نبوت شائع ہوا ۔ تو
اللہ تعالےٰ نے اسے تمام چیزوں سے کامل تر اور کل موجودات سے سابق بنایا ۔ اور
اس کی روشنی اور نور کو تمام اجرام علوی و سفلی پر تقسیم کیا ۔ تاکہ تمام موجودات
کا مرتب اس سے مکمل ہے ۔ اور شریعت طبیعت پر مقدم ہے ۔ جو اجزا نبوت کے
بعد نورِ نبوت سے پیدا ہوئے یا ہونگے ۔ انکا حکم ایسا ہی ہے ۔ جیسے عمارت کے اجزا
کا ہوتا ہے کہ پہلے آلات ۔ لکڑی ۔ مٹی اور اینٹیں وغیرہ جمع کیا جاتا ہے ۔ اور پھر یہ
سب مستری کے علم کے موافق عمل میں لایا جاتا ہے ۔ اسی طرح موجودات کے تمام
اجزاء نورِ نبوت کے تابع ہیں ۔ اور اس کے ذریعے سے ہی موجودات پورے ہوئے ۔
اور وجود کامل ہوا ۔ پھر جب عالم روحانی و جسمانی کو پیدا کیا ۔ تو نورِ نبوت کو عقل اول
کی ذات سے اس طرح نکال لیا ۔ جیسے مکان کا نقشہ جہندس کے عقل سے نکلتا ہے
پھر اللہ تعالےٰ نے اس نور کو تقسیم کیا اور عالم کی ہر ایک جزو اس نور سے ایک
حصہ عطا کیا ۔ چنانچہ شمس و قمر کو اسی سے روشن کیا ۔ اور اسی سے عرش و لوح
اور قلم کو منور کیا اور اسی سے آسمانوں کو مزین کیا اور اسی سے زمین کو بچھایا ۔
اس کے بعد اس نور کو پھر خلق آدمؑ تک نفس دل میں ودیعت رکھا ۔ پس حضرت

آدم علیہ السلام اسی نور کے ذریعے عالم و عاقل اور کامل و مکمل بن گئے۔ پھر یہی نور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل میں جاری ہوگیا۔ یہانتک کہ منتقل ہوتا ہوا۔ حضرت شیث علیہ السلام میں آیا۔ اور پھر ان سے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ میں منتقل ہوا۔ اور وہاں اس نے صورت محمدی اختیار کی۔ پس اللہ تعالےٰ نے آپ سے عالم جسمانی کو ختم کردیا۔ جسطرح عالم روحانی کو اُن سے شروع کیا تھا۔ الغرض یہ نور شروع میں جیومیٹری کے نقشہ کی طرح تھا۔ اور آخرکار اس اینٹ کی طرح ہوا۔ جس سے عمارت کامل و مکمل ہوتی ہے پس جو چیز علم الٰہی میں تھی۔ وہ آسمان و زمین کو محیط تھی۔ اور یہ نور اسی کے ذریعے نورانیت کے آخر تک پہنچا اور تمام اشیاء موجود ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ جب یہ نور ہیکل جسمانی میں ظاہر ہوا۔ تو آخری اینٹ کی طرح اپنے ابناء جنس میں مشترک ہوگیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ۔

آپ کے ابتداء امر کی اللہ تعالےٰ نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے۔

اِنَّکَ لَتَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

اور آپ کے حضیض بشری کی طرف منتہی ہونے کی بابت فرماتا ہے۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ۔

یعنی آپ جس کو چاہیں. ہدایت نہیں کر سکتے۔

جب تک آپ نورانیت محض رہے تو معمار کے نقشہ کی طرح تھے۔ جس کے بغیر وجود صحیح نہیں ہو سکتا اور جب آپ اپنی صورت وہیکل میں ظاہر ہوئے تو بمنزلہ ایک اینٹ کے ہوئے کہ اگر اس کو دیوار میں سے نکال لیا جائے۔ تو خلل واقع ہو کیونکہ نور الہٰی جب جنس شخص میں بند ہوا تو اس بندش کے باعث وہ نور زیادہ ہوا۔ اور جسم کے صغیر ہونے کے باعث دیکھنے والوں کی نظروں میں آسان ہو گیا۔ جیسے کہ آفتاب جب ابر میں آجاتا ہے۔ تو دیکھنے والے اسے آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور قلب آدم علیہ السلام میں مرکب کیا۔ تو اسی کے باعث حضرت آدم علیہ السلام سجودِ ملائکہ کے مستحق ہوئے۔ اللہ تعالےٰ کی امانت بھی نورِ نبوت ہی تھا۔ جسکو خدا تعالےٰ نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تھا۔ تو انہوں نے اُس کے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اور ڈر گئے تھے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا تھا پس اسی نور اور اسی امانت اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو فرمایا تھا۔

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔

چونکہ مسجود نورِ محض تھا اور سجدہ کرنے والے جزء نور سے پیدا ہوئے تھے اور

ضرورتِ نبوت سے یہ بات ہے۔ کہ اس کے مقابل اس کی ضد یعنی ظلمت بھی لائی جائے۔ اسی لئے شیطان حضرت آدم علیہ السلام کے مخالف ہوا۔ تاکہ نور اور ظلمت کا تقابل صحیح ہو جائے۔

پھر جب نبوت نورِ آدم سے جسم محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچی۔ تو ابلیسیت یعنی ظلمتِ محض جو ابلیس لعین کے تکبر سے پیدا ہوئی تھی۔ ابوجہل بن ہشام وغیرہ کفار کے ہیکل میں منتقل ہوئی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا۔ ہر نبی کے لئے ایک شیطان ہوتا ہے مگر میرے لئے بہت سے شیطان ہیں۔ پس آپ نور الٰہی یا نور کے نور ہیں۔ اور شیطان آپ کے مقابلہ میں ایک ظلمت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں کو ظلمت سے نور کی طرف بلاتا ہے۔ اور دشمنوں کو نور سے ظلمت کی طرف لے جاتا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو ظلمت آپ کے مقابل ہوئی اور اس نے آپ کو تکلیف پہنچائی حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسکین کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ○

ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

پھر ایک اور جگہ ارشاد کرتا ہے۔

وَیُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ

مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۝

نیز فرماتا ہے۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ۝

پھر جب جاہلوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منجملہ شخصیات کے شمار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے زمرے سے اس طرح نکالا ہے کہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۝

یعنی لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر و تقاریر سے منع فرمادیا۔ کہ ان کو شخص واحد ہی شمار نہ کرلو اور بشریت کی نگاہ سے انکی طرف نظر نہ کرو۔ تاکہ ان کو اجزاء بشر میں سے ایک جز دیکھو۔ بلکہ ان کی اس صورت پر نظر کرو جو وجود سے پہلے تھی تاکہ تمہیں ایک ایسا نور نظر آئے جس نے تمام موجودات کا احاطہ کر رکھا ہے

مجربات امام غزالی" اردو ترجمہ ص ۲۲۸ تا ۲۳۲ ——— مطبوعہ انقلاب سٹیم پریس

(۱)

نورِ بیاں۔ نورِ عیاں

پھر اسی کتاب کے صـ۲۳۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

پھر اللہ تعالےٰ نے آپ کو نورِ بیاں پر نورِ عیاں کی زیادتی کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ تاکہ جو کچھ آپ فرمادیں۔ رویت حق سے فرمادیں۔ نہ علم حق سے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

کہ میرے پاس دو فرشتے آئے۔ اور حکمت سے بھرا ہوا۔ ایک طشت لائے۔ اور اس حکمت کو میرے قلب میں ڈالدیا۔ پس میں تمام امور کو ظاہر دیکھتا ہوں۔

نیز آپ نے فرمایا کہ

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: کہ بے شک ابراہیم میرا خلیل ہے اور موسےٰ میرا محب ہے۔ اور بے شک محمدؐ میرا حبیب ہے۔ اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے۔ کہ میں نے اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور صفی اور محب سب پر فوقیت عطا کی ہے۔ (مجربات امام غزالی صـ۲۳۳)

( )

نورِ الٰہی کی ایک صورت

پھر جب آپ کمال کے کنگروں پر جا چڑھے۔ اور اعلیٰ بلندی پر جا پہنچے :—

تو فرمایا :—

آدم اور اس کے سوا سب پیغمبر اور لوگ میرے جھنڈے تلے ہونگے :—

نیز فرمایا :— میں کل اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ کچھ فخریہ نہیں کہہ رہا۔

:— چونکہ آپ کی ذات اقدس نور الٰہی کی ایک صورت ہے۔ اس لئے اللہ تعالٰے نے شفاعت کی باگ آپ کے ہاتھ میں دی ہے۔ کیونکہ شفاعت کے معنے ہیں نفوس کو عذاب کی قید سے رہائی دینا۔ اور عذاب ظلمت کا ایک جزو ہے۔ اور ظلمت نور کے مقابل ہے۔ اور حضور علیہ السلام نور کی صورت ہیں۔ اس لئے نفوس کی عذاب سے رہائی آپ کے ہاتھ پر منحصر ہے۔ اور آپ ہی کی ہدایت سے روح ظلمت سے نجات پاتے ہیں :— (تجربات غزالی صـــ۲۳۶)

اسی کتاب کے صــ۲۳۸ پر تحریر کرتے ہیں :—

پس حضور ہی لوح اور قلم اور عرش و عقل و نفس ہیں۔ اور حضور ہی روحوں کے واسطے بمنزلہ اشخاص ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

آپ کے واسطے ایسی ہیں۔ جیسی عقل کے واسطے نفس ہے:۔۔۔۔۔۔۔۔

اسی صفحہ پر ذرا آگے چل کر تحریر کرتے ہیں:۔۔۔۔۔۔۔۔

اللہ تعالےٰ نے توراۃ۔ انجیل۔ اور زبور میں بھی آپ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور آپ کے یہ نام ذکر کئے ہیں:۔ ہادی۔ ماحی۔ احمد۔ نور۔

نور پر ایمان لاؤ

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے:۔۔۔۔۔۔۔۔ جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجتے ہیں:۔۔۔۔۔۔۔۔ پس اے لوگو! رسول اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔ اور آپ کی شریعت کو مضبوط پکڑ لو۔ اور آپ کے دین میں ہی اپنی دینوی و اُخروی صلاح و فلاح طلب کرو۔ اور ان پر اور ان کی کتاب پر ایمان لاؤ۔ اور اس نور پر بھی ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں ودیعت رکھا ہے۔ (مجربات امام غزالی ص ۲۳۹، ۲۴۰)

پردے اٹھا دیئے

خداوند تعالےٰ کے علم کے مدارج سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس نے بعض کو تو اپنے علم کا اثر عطا کیا ہے۔ اور بعض کو اپنے علم سے حصہ دیا ہے اور بعض سے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ دیکھتا۔ سنتا۔ جانتا۔

اور کلام کرتا ہے۔ اور زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ (تجربات) حصہ ۲۵۴

"ملائکہ میں تمام علوم پوشیدہ ہیں"

معجزہ کوئی کسبی یا ایسا کام نہیں ہے۔ جو کسی حیلہ سے کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی وہ طبیعت کی قوت سے ہو سکتا ہے۔ اور نہ اوہام و خیال کی تاثیر و تحریک سے پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ قدرت الہٰی کے آثار سے ایک اثر ہے۔ کیونکہ

نفوس ناطقہ ملکوت سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور ملکوت کا یہ حال ہے۔ کہ تمام علوم و اعمال و صنائع ان میں پوشیدہ و مضمر ہیں۔ اور نفس کلی کے جوہر میں حجاب غیب کے ورے رکھی ہوئی ہیں۔

پس جب نفوس ناطقہ ظاہرہ میں سے کوئی نفس اپنے صفا جوہر کے باعث نفس کلی کے قریب ہوتا ہے۔ اور اپنے عنصر (یعنی ہم جنس) سے تقرب حاصل کرتا ہے۔ اور کمال مشابہت کے باعث اس کی نسبت اس سے قوی ہو جاتی ہے تو اس وقت فرع اور اصل کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور کل کا رنگ جزو پر پڑتا ہے۔ اور ان فوائد غیبیہ سے کوئی فائدہ اس نفس جزیہ کی ذات پر بھی فائض ہوتا ہے۔

(تجربات امام غزالی ص ۲۵۵، ۲۵۶)

"نور ہدایت"

پھر جب قوت و عبادت سے نور ہدایت مومن کے دل میں جگہ پکڑتا ہے۔ تو

وہ معجزہ کو قبول کر لیتا ہے۔ اور حرم متابعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ الغرض معجزہ برہان نبوت ہے۔ اور برہان ہر وقت نبی کے تفاوت سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ جو شخص طبیعت کی آنکھ سے مراد تقاضا (بشری) شریعت کی طرف نظر کریگا۔ اس پر اس کا قبول کرنا دشوار ہو جائیگا۔ اور اس کا مقر ہونا اس پر گراں گذریگا۔ اور اس کا قدم جادہ مستقیم سے لڑکھڑا جائیگا۔ کیونکہ طبیعت کی آنکھ دو حول ہے (بھینگی) اور اکثر اوقات اندھی ہو جاتی ہے۔ اور اکثر بے ہوش بھی ہو جاتی ہے۔ اور امور شرعیہ کا منکر کافر ہے۔ اس لئے عقلمند کے لئے ضروری ہے۔ کہ شرعی امور کی دلیں بھی شرع سے طلب کرے۔

چنانچہ معجزات کی تصحیح معجزات سے ہی ہوا کرتی ہے۔ پس جیسے کہ اس دنیا میں آفتاب سے بڑھ کر کوئی شئے روشن موجود نہیں ہے۔ جس سے آفتاب کو معلوم کیا جائے۔ اس لیے بالضرورت آفتاب کے نور سے ہی آفتاب کو معلوم کیا جاتا ہے اسی طرح شریعت بھی اپنے نور سے دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کا نور ہی اس نے وجود کی دلیل ہے۔ کوئی چیز اس سے روشن نہیں۔ جو اس کی تائید کرے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی چیز زیادہ ظاہر و روشن نہیں ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ معلوم ہو سکے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی معرفت خدا تعالےٰ سے ہی ہوتی ہے۔ اور شرع بھی شرع سے پہچانی جاتی ہے۔ پس معجزہ کی تحقیق و تصحیح عقل سے کرنا نہایت خطا ہے اس سے عقلیں ہلاکت میں پڑ جاتی ہیں۔ معجزہ کی حقیقت عقل سے معلوم بھی

کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ عقل اسکے ادراک سے عاجز آگئی ہے۔ اور جس چیز سے عقل عاجز نہ ہو۔ وہ معجزہ ہی نہیں ہے (مجربات غزالی رح ص۲۵۰تا۲۵۲)

نفس ناطقہ اور بدن

اے طالب صادق۔ تمہیں یہ بات معلوم ہے۔ کہ نفس ناطقہ اس عالم میں بمنزلہ مسافر کے ہے۔ اور اس نے حکم الٰہی کے موافق ملکوت سے بدن کے اندر ہجرت کی ہے۔ مگر اس کا میلان اپنے مرکز کی طرف ہی ہے۔ اور ہر وقت اسی کا شائق رہتا ہے۔ اور اسی عالم کی طرف اس کی زیادہ توجہ ہے۔ مگر کیا کرے۔ حکم الٰہی سے مجبور ہے۔ اور اس کے احکام کی قید میں مقید ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو قید سے رہائی دے۔ تو یہ فوراً اس عارضی مقام سے یعنی بدن سے عالم بالا کی طرف رجوع کر جائے۔ اور اپنے اس بدن سے ایسا ناآشنا ہو جائے۔ کہ گویا کبھی اس میں آیا ہی نہ تھا۔

پھر یہ نفس اگر منزل بدنی میں اپنے جوہر کی ویسی ہی صفائی کے ساتھ رہے۔ جیسے کہ پہلے تھا۔ تو ضرور اسے اپنے اصلی مقام کی ہوا لگتی رہتی ہے۔ اور بیداری یا خواب میں وہاں کی خبروں کے ورود کا منتظر رہتا ہے۔ جیسے کہ وہ مسافر جو اپنے اہل و وطن سے دور پڑا ہو۔ اپنے وطن کی خبروں کے سننے کا شائق رہتا ہے۔ اور مسافروں سے اپنے وطن کی خبریں دریافت کرتا ہے۔ اگر اچھی خبر سنتا ہے۔ تو خوش ہوتا ہے

اور اگر بری خبر سن پاتا ہے۔ تو غمگین ہو جاتا ہے۔ اور اپنے عزیزوں کی خبر سے بڑھ کر اور کوئی خبر اسے خوش کن نہیں ہوتی۔

اسی طرح ہر نفس بھی اس تنگ و تار قید خانہ میں پڑا ہر وقت اپنے وطن کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اور اپنے شہر کی خبر سننے کے لئے دروازے پر جاتا ہے۔ اور یہ دروازے بیداری میں تو حواس ہیں۔ اور خواب میں وہم و خیال اگر اس کی قوت صاف اور کامل ہوتی ہے۔ تب تو اسے مصر غیب سے اپنے حبیب یوسف کی خوشبو پہنچ جاتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ کاروان خیال اس کے دماغ تک قمیص کی خوشبو پہنچائے۔ جیسے کہ یعقوب علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ ان کی جہت نہایت درست اور نفس حاضر اور ہمت مجتمع تھی۔ اس لئے ابھی قمیض زیادہ نزدیک نہیں آئی تھی۔ کہ انہوں نے اس کی خوشبو سونگھ لی تھی۔ اور فرمایا تھا۔ انی لاجد ریح یوسف۔ مگر چونکہ ان کے اقارب اپنے احوال میں مشغول اور بدنی علاقوں میں پھنسے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے اس کی خوشبو نہ سونگھی۔

"صفائی کامل"

الغرض۔ نفس جب درست ہوتا ہے۔ اور اس کی صفائی کامل ہوتی ہے۔ اور ذات تام ہوتی ہے۔ تو اس وقت ادراک غیب میں اسے نیند کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ بیداری میں بھی اپنے مرکز کی طرف ملتفت ہوتا ہے۔ اور جو کچھ طلب کرتا ہے۔

پالیتا ہے۔ اور یہ کامل ترین حالت ہیں سے ہے۔

اور اگر قوت وکمال میں اس سے کم ہوتا ہے۔ تو بیداری میں حرکات حواس اسے مشغول رکھتے ہیں۔ مگر جب سوتا ہے۔ تو اس وقت فضول وزوائد سے نجات پا لیتا ہے۔ اور صفائی جوہر کے باعث، اپنے اصل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور وہاں سے لطائف اخبار اور معانی اسرار حاصل کرتا ہے۔

پھر اگر وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح ہوتا ہے۔ تو اس پر احوال غیب پوشیدہ نہیں ہوتے۔ بلکہ انہیں نہایت صحت اور درستی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اگر اس کی حالت ان کے اقارب کی طرح ہوتی ہے۔ اور اس کا ادراک ضعیف وکمزور ہوتا ہے۔ تو عالم قدس کی اشیاء، حجاب طبیعت سے مستور ہو جاتی ہیں۔ مگر ان دونوں حالتوں کا نام رویا ہے۔ (مجربات امام غزالی ص۲۷۶-۲۷۷)

آپ پر واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ عناصر کا ان اہم امور میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ ان تمام کا مبدء نفس ناطقہ۔ روح یا نور ہی ہے۔ عناصر کا اتنا کام ہے۔ کہ وہ اس کے لئے مانند آلات کے ہیں۔ (مولف)

"نور نبوت"

اے طالب، تجھے معلوم ہے۔ کہ نبوت ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالےٰ سے اس کے بندوں میں سے کسی بندے میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کے تمام قویٰ پر غالب

آجاتا ہے۔ اور خون کی مانند اس کی رگوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور رسالت اس شعاع کا نام ہے۔ جو اس نور سے ارض شریعت میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس رسالت تو بمنزلہ زمین کے ہے۔ اور نبوت بمنزلہ آسمان کے ہے۔ اور شریعت کے بہت سے موضوعات ہیں۔ جو شارع علیہ السلام سے بذریعہ نور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور شعاع نبوت کا ایک اثر ہے۔ اور دعوت سے مراد اجزا شرع کا اس سے مراتب میں معین کرنا ہے۔ مثل توحید۔ معرفت۔ اور اعمال و عبادات وغیرہ کے۔ پس یہ بمنزلہ گاؤں اور شہروں کے ہیں۔ جو زمین میں ہوتے ہیں۔ اور ان کے اجزا امر و نہی ہیں۔ اور وحی اس امداد کا نام ہے۔ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے قواعد کے بنانے میں نبی کو پہنچتی ہے:—

(مجربات امام غزالی صـ ۳۰۷)

میرے دوست بخاری صاحب کو اب مطمئن ہو جانا چاہیے۔ کہ نور کا اپنا مقام ہے اور بشریت کا اپنا۔ نور وہ نقطہ مرکزی ہے۔ جس کے گرد تمام مخلوقات/ باوجود اپنے اپنے مقام پر قائم ہونے کے، گھومتی اور دائرہ بناتی ہے۔ مرکزیت کا اپنا مقام ہے۔ جو اپنے دائرہ میں بہت اہم اور قابل احترام ہے۔ نور کے بعد بقیہ کائنات میں مختلف مقامات ہیں۔ اور ان میں تفاوت و تفاضل ہے۔ اور انہیں ایک دوسرے کی نسبت سے دنو و علو ہے۔

اس تخالف و تباین میں بشریت و عناصر کو جو مقام حاصل ہے۔ وہ بہت بلند ہے اسی لئے ارشاد ہوا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۔ القرآن ۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ۔ القرآن

یہ تفاوت یہ علو ۔ یہ تفاضل ۔ یقیناً بشریت کے حصہ میں آیا ہے ۔ اور اپنے مقام پر یہ قابل احترام و اکرام ہے ۔ اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے ۔ کہ اس کا مقام دوسری کائنات سے بہت بلند ہے ۔ اگر اس مسئلہ پر دل کھول کر بحث کی جائے ۔ تو اس کے لئے بہت وقت چاہیئے ۔ لیکن اس وقت ۔ اصل مسئلہ سمجھانے اور اپنے رفیق و دوست کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے جبقدر دلائل مایکفی کی ضرورت ہے ۔ انہیں درج درج کئے دیتا ہوں :

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ سرزمین ہند میں اپنا ثانی ؛ ہمسر نہیں رکھتے ۔ نور و بشر کے متعلق ہیں ان کا مسلک و نقطہ نظر پہلے بیان کر آیا ہوں ۔

کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ۔

ع ھو المسک ما کررتہ یتضوع

مشک کی خاصیت ہے ۔ کہ جتنا اسے کریدا اور چھیڑا جائے ۔ تو وہ اتنی ہی مہکتی ہے اور اس کی خوشبو تیزی سے پھیلتی اور دماغوں کو معطر کرتی ہے ۔

اسی طرح حضرت مجدد رحمہ اللہ کا کلام ۔ مشک کا خزانہ اور ذخیرہ ہے ۔ جتنا اسے چھیڑا جائے ۔ اور اسے بیان کیا جائے ۔ تو اس مشک کی افادیت زیادہ مہکتی اور دل و دماغ کو معطر کرتی ہے ۔ اب میں ان کے ایک اور خط کا اقتباس ہدیۂ ناظرین کرتا

ہوں ۔ وہو ہٰذا ۔

حسن وجمال

خاتمہ حسنہ: حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حسن وجمال کے بیان میں جو پروردگار عالمیاں جل شانہٗ کی محبت کا باعث ہے ۔ اور جس کے سبب آنحضرت رب العالمین کے محبوب ہوئے ہیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام اگر اس ملاحت کے سبب جوان میں پائی جاتی ہے ۔ حضرت یعقوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب تھے ۔ لیکن ہمارے حضرت پیغمبر خاتم الرسل اس ملاحت کے باعث جو ان میں موجود تھی ۔ خالق زمین وآسمان کے محبوب ہیں ۔ اور زمین وآسمان انکے طفیل پیدا فرمایا ہے ۔ کما وَرَدَ ۔

آپ کی پیدائش

جاننا چاہیئے ۔ کہ پیدائش محمدی تمام افرادِ انسان کی پیدائش کی طرح نہیں ۔ بلکہ افرادِ عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالٰے کے نور سے پیدا ہوئے ہیں ۔ جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۔ ———————

—— ۵ ——

خُلِقتُ مِن نُورِ اللّٰہ

(میں اللہ کے نور سے پیدا ہوا ہوں، اور دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔ اس دقیقہ کا بیان یہ ہے۔ کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ حضرت واجب الوجود جل شانہ کے صفات ثمانیہ حقیقیہ اگرچہ دائرہ وجوب میں داخل ہیں۔ لیکن اس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ان میں امکان کی بو پائی جاتی ہے۔ اور جب صفات حقیقیہ قدیمہ میں امکان کی بو موجود ہے۔ تو حضرت واجب الوجود جل شانہ کے صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان ثابت ہوگا۔ اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پہلی دلیل ہوگا۔

"کشف صریح"

کشف صریح سے معلوم ہوا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے ہوئی ہے۔ جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ اس امکان سے جو تمام مخلوق عالم میں ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ لیکن آنحضرت کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشاء عالم ممکنات میں سے ہی نہیں۔ کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔

"آپ کا سایہ نہ تھا"

یہی وجہ ہے ۔ کہ ان کا سایہ نہ تھا۔ نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اور جب جہاں میں اس سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے ۔

"وہی نور"

واضح ہو کہ ۔ صفت علم صفات حقیقیہ میں سے ہے ۔ اور موجودہ خارجی کے دائرہ میں داخل ہے ۔ جب ان صفات کو اضافت عارض ہو جائے ۔ اور اس سے تقسیم ہو جائیں ۔ جیسے علم اجمالی ۔ اور علم تفصیلی ۔ تو یہ قسمیں صفات اضافیہ میں سے ہونگی ۔ اور ثبوت نفس الامری کے دائرہ میں داخل ہونگی ۔ جو صفات اضافیہ کا مفرد مقام ہے ۔ جیسے کہ گذر چکا ۔

"مشہود"

اور مشہود ہوتا ہے ۔ کہ علم جملی جو صفات اضافیہ میں سے ہے :—

وہی نور ہے

جس نے عالم عنصری میں بہت سی پشتوں سے رحموں میں منتقل ہونے کے بعد

بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے بموجب صورت انسانی میں احسن تقویم ہے۔ ظہور فرمایا

ہے۔ اور جس کا نام محمدؐ و احمدؐ ہوا ہے۔

عجیب قید و اطلاق

غور سے سننا چاہیئے۔ کہ اس قدر اجمال نے اگرچہ علم مطلق کو مقید کیا ہے۔

اور اس کو حقیقت سے اضافت میں لایا ہے۔ لیکن مقسم میں کوئی زیادتی پیدا

نہیں کی۔ اور اس کی کسی چیز کو مقید نہیں کیا۔ کیونکہ اجمال علم۔ نفس علم سے مراد ہے۔

نہ کوئی زائد امر جو علم سے ملا ہو۔

برخلاف تفصیلی علم کے جو بے شمار جزئیات کو چاہتا ہے۔ تاکہ تفصیل متصور ہو سکے۔

یہ عجیب قید ہے۔ جو اطلاق کی مظہر ہے۔

اور عجیب قید ہے۔ جو نفس مطلق ہے۔

اس قسم کی نزاکت مطلق علم میں ذات عالم جلّ شانہٗ کی نسبت ملاحظہ کرنی چاہیئے۔

جہاں علم نفس عالم۔ اور نفس معلوم ہو سکتا ہے۔

جیسے کہ علم حضوری میں ثابت ہے۔ برخلاف دوسری صفات کے کہ یہ قابلیت

نہیں رکھتیں۔

نہیں کہہ سکتے۔ کہ قدرت عین قادر اور عین مقدور ہے۔ یا ارادت عین مرید

اور عین مراد ہے۔

احمد و احد کا قرب

پس علم کو ذات عالم کے ساتھ وہ اتحاد و نسبتی ہے۔ جو غیر کو نہیں - یہاں احمد کا قرب جو احد کے ساتھ ہے - معلوم کرنا چاہئیے۔ کہ ان کے درمیان کونسا واسطہ ہے :۔ وہ صفت یہی علم ہے - جو ایک ایسا امر ہے۔ جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے۔ پھر حجاب ہونے کی کیا گنجائش ہے -

نیز علم کے لئے ایک ایسا ذاتی حسن ہے - جو صفات میں سے کسی اور کے لئے یہ حسن ثابت نہیں ہے - اسی واسطے اس تغیر کے خیال میں صفات واجبی میں سے زیادہ محبوب حق تعالیٰ کے نزدیک صفت علم ہے - چونکہ اس کا حسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے۔ اس لئے حِس اس کے ادراک سے قاصر ہے - اس حسن کا پورا پورا ادراک عالم آخرت پر وابستہ ہے - جو رویت کا مقام ہے - جب خدا تعالےٰ کو دیکھیں گے حضرت محمدؐ کے جمال کو بھی پالینگے -

اگرچہ اس جہاں میں حسن کا دو تہائی حصہ حضرت یوسفؑ کو عطا ہوا - اور باقی تیسرا حصہ سب میں تقسیم ہوا - لیکن عالم آخرت میں سارا حسن - حسن محمدیؐ ہے اور تمام جمال - جمال محمدی ہی ہے - جو خدا تعالےٰ کو محبوب ہے - جو صفت علم کے حسن کے ساتھ کسی دوسرے کے حسن کو کس طرح مشارکت ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کا حسن مطلوب کے ساتھ متحد ہونے کے باعث ہے ۔ یعنی حسن عین مطلوب ہے ۔

دوسرے کے لئے چونکہ اس قسم کا

اتحاد نہیں - اس لئے ایسا حسن بھی نہیں - پس

پیدائش محمدیؐ

باوجود حدوث کے قدم ذات کی طرف منسوب ہے - اور اس کے احکام بھی وجوب ذات تعالیٰ تک منتہی ہوئے - اور اس کا حسن - حسن ذات تعالےٰ ہے - جس میں حسن کے سوا اور کسی چیز کی آمیزش نہیں - یہی وجہ ہے - کہ اس کے ساتھ جمیل مطلق کی محبت کا تعلق ہے - اور حق تعالیٰ کی محبوب ہے -

اللّٰہ جمیل یُحب الجمال (مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۰۰ ص ۲۶۵ تا ۲۶۸)

حضرت مجددؒ کا یہ مکتوب ان کے علم و کشف کا شاہکار اور نادر نمونہ ہے - جو نہایت بلند آواز سے پکار پکار کر اعلان کر رہا ہے - کہ آنحضرتؐ کی رفعت شان - علم، صفائی قلب و دماغ کا کوئی ثانی نہیں - کس تمکنت اور شان سے حقائق بیان کئے گئے ہیں - اور کس قدر طمانیت قلب کا مظاہرہ ہے - اور کس قدر ایقان و اطمینان ہے - جو محض کشف و القاء الہی کی موہبت ہے - ہمیں کیا یارا یا توفیق کہ ان کے اس بیان میں تفسیری یا تشریحی اضافہ کر سکیں - البتہ اتنا سمجھتے ہیں ہم حق الیقین کے درجہ تک پہنچنے میں ذرا بھر بھی تشکیک روا نہیں رکھتے - کہ جس ذات والا صفات کی تعریف و توصیف میں وہ رطب اللسان ہیں - وہ اس جسد عنصری سے وراء الگ کوئی دوسری

ذات ہے۔ جس کے تعارف کے لیے ہمارے پاس مقدس لفظ "نور" کے بغیر کوئی دوسری تعبیر نہیں۔ نہ ہی اس کی حقیقت و کنہ ۔ حاشا و کلا ۔ خود حضرت مجدد صاحب نے بھی اس گلی میں جانے کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا ۔

اور صرف اتنا ہی اشارہ کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ کہ احد و احمد میں اتنا قرب ہے جس کی تشریح اس سے زیادہ ناممکن ہے کہ تمام کائنات میں سے کوئی بھی دوسرا اس کا ہمسر و ہم مرتبہ نہیں ۔ جو قرآن مجید بھی فدنیٰ ، فتدلیٰ ۔ فکان قاب قوسین اور ادنیٰ ۔ الایۃ۔ سے زیادہ کچھ بیان کرنا مناسب حکمت نہیں خیال فرمایا۔ حضرت مجدد صاحب تو اپنے مقام رفیع و انکشاف بدیع کے بھروسے پر پھر بہت کچھ فرما گئے۔ لیکن پھر بھی کنہ و حقیقت کی طرف مختصر سے مختصر الفاظ بھی زبان پہ لانا سوء ادب تصور کرتے ہوئے اپنے دائرہ کے اندر رہے ہیں ۔ اور باہر قدم رکھنا خلاف مصلحت سمجھا۔

اور ولایت محمدی نے ولایت احمد کی طرف انتقال فرمایا۔ پس محمد صلے اللہ علیہ وسلم دو تعین سے مراد ہے اور

احمدؐ

صرف ایک ہی تعین ہے ۔ یہ اسم حضرت اطلاق کے بہت قریب ہے ۔ اور علم سے دور تر ہے ۔

حضرت مجدد رح نے اس مکتوب میں بھی جسد و نور یا بالفاظ دیگر روح کا بھی وضاحت سے تذکرہ فرمایا ہے ۔ اور جسد عنصری اور نور کے تعلقات کو مشرح فرمایا ہے ۔ اور ان

دونوں کے درمیان جو رابطہ ہے۔ اسے سمجھانے کی پوری پوری سعی فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ کسی وقت تو بشریت مغلوب ہو کر مستور ہو جاتی ہے۔ لیکن فنا، معدوم نہیں ہوتی۔ اور کسی وقت قطعی الگ ہو جاتی ہے۔ لیکن رفاقت کے باعث رابطہ اور اثر ضرور باقی رہتا ہے۔ اور رفو ارادت کے باعث وہ اثر آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور جتنا جتنا ان کا تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ اتنا اتنا نور قوی اور مضبوط ہو کر اعلیٰ و ارفع مقامات کی طرف پرواز کرتا ہے۔

ساتھ ہی فرماتے ہیں "کہ فی ذاتہ تو وہ نور عنصری تعلقات سے الگ ہو کر کامل ارفع اور بلند درجات تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جب عنصر نوع کے افادہ کے لئے انہیں عنصری جامہ میں ملبوس کیا تھا۔ اس علاقہ و رابطہ کے انقطاع سے وہ اس نوع عنصری یعنی بنی نوع انسان سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اسی طرح نوع انسانی گھاٹے اور ٹوٹے میں پڑ جاتی ہے۔" آپ اس مسئلہ کو ایک تمثیل سے سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں :

- اس رعایا کا کیا حال ہوگا۔ جن کے حال پر بادشاہ نظر شفقت نہ فرمائے۔ اور بالکل اپنی طرف متوجہ رہے۔

ہمارا مقصد تو بشریت و نور کے مقام کو واضح کرنا اور سمجھانا ہے

کہ بشریت اپنے مقام پر خواہ کتنی ہی ذی احترام ہے۔ لیکن جب اس کا نور سے تقابل و توازن کیا جائے۔ تو معدوم ہوتا ہے۔ کہ بشریت

کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں۔ کہ تیور نے اپنے خالق کے علم کی تعمیل ارشاد کے لئے ایک محدود عرصہ تک تو اس سے رابطہ و تعلق قائم رکھا۔ لیکن آخر کار اس سے خلاصی حاصل کئے بغیر نہ رہا۔ اور بالآخر اپنی اصلی و جبلی حالت میں جلوہ گر ہوا۔

فاضل اجل مولانا ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی مرحوم

دہلی کے متاخرین علماء میں سے انکا شمار سر فہرست ہے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء ان کے شباب کا زمانہ تھا۔ یہ جانگداز حوادث ان کے سامنے رونما ہوئے۔ چونکہ فرنگی کے خلاف مرتبہ فتویٰ پر آپ نے دستخط نہیں کئے تھے۔ اس لئے وہ محفوظ رہے۔ آپ کی تفسیر موسومہ بہ "حقانی" معاصرین سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے درحقیقت تفسیر حقانی کا ہر مضمون آپ کے تبحر علمی کا نہ صرف ثبوت مہیا کرتا ہے۔ بلکہ آپ کے بلند پایہ علمی مرتبہ کا متقاضی ہے۔ اس زمانہ میں عیسائی پادریوں کا سرزمین ہند پر ایک سیلاب سا امنڈا چلا آرہا تھا۔ اور یورپ ہندوستان کو ذہنی طور پر زیرنگیں کرنے کے لئے پادریوں کی کھیپ در کھیپ بھیج رہا تھا۔ جو جدید عقلی دلائل سے لیس اور تربیت یافتہ اور ٹرینڈ تھے۔ جنہیں اس مقصد خصوصی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو ایک طرف تو ہنگامہ ۵۷ء نے مضمحل کر رکھا تھا۔ اور دوسری طرف ان پادریوں کا سیلاب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مذہب اسلام پر بے ہنگم چھچے کے لگا رہا تھا۔ مولانا موصوف نے اپنے علم و فضل اور بے پناہ جرأت و دلیری سے ان کا

دندان شکن جواب دے کر اپنی غیرت ایمانی کا ثبوت دیا اور مسلمانوں کے لیئے ایک قیمتی خزانہ فراہم کیا۔

تفسیر حقانی کے بعض مضامین میں اس مسئلہ (نور و بشریت) پہ روشنی پڑتی ہے جہاں آپ نے علماء متقدمین کا تتبع کیا ہے۔ میں ان مضامین کا اقتباس اپنی کتاب میں درج کر کے قارئین کے علم میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ وھوہذا۔

پس جب ایام وحی نہایت قریب آ پہنچے۔ تو حضور علیہ السلام کو خلوت کی طرف نہایت رغبت ہوئی۔ جو جبل حراء میں (جو کعبہ سے تخمیناً ڈھائی میل) ایک غار ہے۔ کہ جس کا طول چار گز اور عرض سوا گز اور کہیں سے کم۔ وہاں تنہا ذکر الٰہی میں ہر وقت مستغرق رہتے تھے۔ حضرت کی بیوی خدیجہ رضی دو چار روز کا کھانا پانی آپ کو دے آیا کرتی تھیں۔ اور کبھی کبھی آپ بھی تشریف لاتے تھے۔ پس جب ہمہ تن نور ہو اور ظلمات جسمانیہ دور ہو گئے۔ تو عالم قدس کا انکشاف آپ کے دل پہ ہو گیا۔ اور حجاب جسمانی اٹھ گئے۔ میں جس حجر و شجر کے پاس سے گزرتے تھے۔ وہ بزبان فصیح السلام علیک یا رسول اللہ کہتا تھا:——

تفسیر حقانی مقدمہ جلد اول صـ۶۵ بلیماراں دہلی ۱۳۵۷ھ

اور اسی تفسیر سورہ فاتحہ جلد دوم کے صـ۲۰۵ پر تحریر کرتے ہیں:——

آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا۔ کہ عالم غیب سے یہ صراط مستقیم اول انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے پھر ان کا پرتو صدیقین پر پڑتا ہے۔ اور ان کا شہیدوں پر اور ان کا صالحین پر۔ کس لئے

کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوت نظریہ۔ کہ جس کی وجہ سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس قوت کی دو صورتیں۔ ایک انکشاف کہ روح کو نور قدس سے صفائی حاصل ہو کہ حجابات اور ظلمات ادراک حقائق اشیاء سے مانع نہ آویں۔ اور اس کا قلب عالم غیب کا خزانہ ہو جاوے اگر بغیر اکتساب و تعلیم یہ بات اس کو حاصل ہے۔ تو وہ نبی ہے۔

پھر انبیاء کے بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اعلیٰ درجہ میں رسول اولوالعزم ہیں۔ اور ان سب کا سلسلہ ایک شخص کی طرف منتہی ہوتا ہے۔ کہ جو عالم روحانی میں خدائے تعالیٰ کے ظہور کا اول پرتو ہے۔ کہ جو اول مخلوق ہے۔ سب اسی کی تفصیلات ہیں۔ اور عالم حسی میں وہ سب سے اخیر ہے۔ جس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

پس چونکہ کل کائنات اسی کے وجود کے انبساطات ہیں۔ اس لئے جس طرح اپنے وجود کا علم ضروری ہے۔ ان کا بھی ضروری ہے۔ اس لئے تمام علوم کا سرچشمہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ چنانچہ خود بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ "کہ مجھ کو تمام اولین و آخرین کے علم دیئے گئے ہیں" اور چونکہ بنی آدم از علم یابد کمال۔ کمال کا اعلےٰ درجہ قوت علمیہ کی تکمیل ہے۔ اور آپ اس میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اسی لئے آنحضرت

سیدالمرسلین قرار پائے۔

الحاصل۔ نبی وہ ہے۔ جس کی قوت علمیہ جو انکشافات الہی ہے۔ نہایت کمال کو پہنچ جائے۔ کہ پھر اس میں غلطی کا احتمال نہ ہے۔ اور اس کی قوت علمیہ بھی مکمل ہو جاتی ہے۔ کہ جس سے ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ و معصوم رہتا ہے۔ اور جس کی روحانی قوت سے خرق عادات و معجزات اس کی تصدیق کے لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کے فیض صحبت اور اثر تربیت سے اس درجہ علیا کو پہنچتے ہیں۔ ان کو صدیق کہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں ابوبکرؓ تھے اور پھر تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد اور ہزاروں صدیقین گزرے ہیں۔ کہ جن کے فیوض و انوار نے ایک عالم کو منور کر رکھا ہے۔

اگرچہ حکماء اشراقیہ اور دیگر اہل ریاضت جیسا کہ ہنود کے جوگی۔ وغیرہم بھی اس انکشاف سے کسی قدر بہرہ یاب ہوتے ہیں۔ مگر بہ سبب اختلاط قوت وہمیہ کے غلطیوں سے محفوظ نہیں۔ اور نہ یہ قوت حد کمال تک پہنچتی ہے۔ جب کہ وہ ایسے ہیں۔ کہ جس طرح کسی طائر کے تھوڑے سے پر ہوں۔ اور وہ اچھی طرح نہیں اڑ سکتا۔ اور گر پڑتا ہے۔

تفسیر حقانی۔ تفسیر سورہ فاتحہ جلد دوم ص ۴۲

ان مذکورہ عبارتوں کو بغور پڑھنے سے بشریت اور نورانیت کے تفاوت پہ روشنی پڑتی ہے۔ اور ان کے مراتب و مقامات کے تعین میں خاصی مدد ملتی ہے۔

اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ کہ نور کا اپنا مقام ہے۔ اور یہ بشریت باوجود ذی احترام ہونے کے نور سے ہمسری کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اور اس میں کسی شک و ریب کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ روح کے طے مراتب کے اہم سفر میں وہ سدراہ ثابت ہوتی ہے۔ اور جب تک روح اسے بالکلیۃ راستہ سے ہٹا کر مطمئن نہ ہو جائے اس کا منزل مقصود تک پہنچنا۔ شدید ترین مشکلات کے مترادف ہے اور صحیح طور پر وہ اپنے مقصد میں تب ہی کامیاب ہو سکتی ہے۔ کہ بشریت کلیتہ فنا ہو کر پورے طور پر مطیع و منقاد اور تابع فرمان ہو جائے۔ اور جب تک بشریت اپنی ہستی و خودی کو ختم کر کے فنا نہیں ہو جاتی۔ روح جو نور حقیقی کا ایک گونہ عکس ہے۔ اپنی پرواز کی رفتار کو قائم نہیں رکھ سکتی:

مولانا حقانی رح فرماتے ہیں۔

"پس ہمہ تن نور — اور ظلمات جسمانیہ دور ہو گئے۔ تو عالم قدس کا انکشاف آپ کے دل پر ہو گیا۔ اور حجاب جسمانی اٹھ گئے"

پھر دوسری جگہ صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں:

"ایک قوت نظریہ۔ کہ جس کے وجہ سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس قوت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک انکشاف۔ کہ روح کو نور قدس سے صفائی حاصل ہو۔ کہ حجابات و ظلمات۔ ادراک حقائق اشیاء سے مانع نہ آویں"

مولانا حقانی رح نے بشریت کو ظلمات جسمانیہ — حجاب جسمانی۔ سے تعبیر کیا ہے

اور ادراک حقائق اشیاء سے مانع اور روح کو نور قدس سے صفائی حاصل کرنے کے راستہ میں رکاوٹ مانع اور حجاب و ظلمات سے تعبیر کر کے بشریت و نور کے مقام و مرتبہ سے باخبر کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ نبی آدم کا کمال حصول علم ہے۔ اور بشریت اپنے ذاتی تقاضا کے اعتبار سے ایک مضبوط رکاوٹ ہے۔ اسے دور کئے بغیر وہ علوم اور ادراکات حاصل نہیں ہوتے۔

مولوی محمد لکھوکے

پنجاب کے اہل حدیثوں میں مولوی محمد صاحب لکھوکے کا مقام بہت بلند ہے۔ اور اس فرقہ کو پنجاب میں جو فروغ ہوا ہے۔ اس میں مولوی صاحب کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔ اور گروہ غیر مقلدین میں ان کا علمی مقام بہت اونچا اور ان کا حاجتی اخلاص شک و ریب سے بالا اور وراء ہے۔ آپ پنجابی کے ایک بلند پایہ شاعر اور مفسر قرآن بھی ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی ہے۔ جو تمام کی تمام پنجابی نظم میں ترتیب دی گئی ہے۔ اور گروہ اہل حدیث میں بہت مقبول و محبوب ہے۔ اس کا نام "تفسیر محمدیؒ" ہے۔ ایک مقام پر وہ حضور صلے اللہ علیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

غالب رہسی اوپر تیرے ہر دم نور الٰہی
تے بشریت گم ہو جاسی جہڑی پہلو آہی

له مولانا سعید احمد صاحب نقشبندی کا نوٹ ختم ہو گیا۔

اہل حدیث کے بارے میں تجربہ ہے۔ کہ وہ عموماً گستاخ ہوتے ہیں۔ وہ نہ تو اولیاء کا مقام تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کے نزدیک کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی تحقیق وتدقیق حجت ہے۔ اور نہ ہی کسی بزرگ کا الہام یا کشف ان کے ہاں کوئی وقعت رکھتا ہے۔ کرامت اولیاء تو کیا۔ معجزات سے بھی ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ روایت میں تو صحابہ وتابعین کے بغیر چارہ نہیں۔ لیکن تخریج مسائل میں انہیں بھی ترجیح دینے میں اپنے آپ کو مجبور نہیں سمجھتے۔ بڑے سے بڑے ائمہ دین کے متعلق نہایت آسانی سے یہ کہہ دینے میں کوئی باک نہیں سمجھتے۔ کہ نحن رجال وھم رجال وہ بھی ہماری طرح کے انسان ہیں۔ جو مسئلہ قرآن وحدیث سے وہ تخریج کر سکتے ہیں وہ ہمیں کیا رکاوٹ ہے۔ اور ہمارے اندر کیا کمی ہے۔ کہ ہم اس میں جھجک محسوس کریں۔

اور اس حقیقت کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ کہ تعلیم وتعلم میں اہل فکر سے سوال و دریافت ایک ایسی اٹل سنت اللہ ہے جس پر عمل کیے بغیر علمی میدان میں چارہ کار نہیں۔

"فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون"

سنت اللہ یہ ہے۔ کہ شروع سے بچہ ماں اور باپ سے دریافت وسوال سے اپنی ناسوتی زندگی کو شروع کرتا ہے۔ اشیاء کے نام۔ ان کا مفاد وافادیت۔ آنے جانے ملنے جلنے والے رشتہ داروں۔ متعلقہ۔ افراد واشخاص کے متعلق معلومات و دریافت بچے کا اہم مشغلہ ہوتا ہے۔ گھر پر آنے والے واقف کاروں رشتہ داروں وغیر متعلقہ

افراد کے متعلق وہ ماں باپ سے رات دن سوالات کرتا ہے۔ اور اپنے معلومات میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

یہ مرحلہ طے کرنے کے بعد جب مکتب میں جاتا ہے۔ تو ایک ایک لفظ اور نقطہ کے سمجھنے میں محتاج ہوتا ہے۔ اور استاد سے سوال دریافت میں کوئی باک نہیں سمجھتا۔ اور جنہیں سوال دریافت میں طبعی حجاب ہوتا ہے۔ وہ لڑکے ناکام ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی صنعت کی طرف جائیں۔ تو وہاں بھی وہی کامیاب ہوتا ہے اور جو پوچھنے یا دریافت کرنے میں حجاب، و شرم محسوس کرتے ہیں۔ وہ کامیاب نہیں ہوتے۔

غرض قدرت کا یہ ایک اٹل و ناقابل تردید نظام ہے۔ جس میں کوئی ذی عقل تشکیک و تردد کو ایک لمحہ کے لئے بھی روا نہیں رکھتا۔ کہ

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيْم

کائنات میں ہر علیم و خبیر کے اوپر ایک دوسرا علیم و خبیر ہے۔ جس کا اقرار کئے بغیر بن نہیں آتی۔ تو لامحالہ تحت۔ فوق سے سوال دریافت سے ہی اپنے علم میں اضافہ کر سکتا ہے۔ پھر فوق کو واقعی فوق تصور کرنے اور اسے بلند سمجھنے کے لئے بھی قدرت نے سامان و اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ کہ ان پہ غور کرنے کے بعد کسی قسم کا تردد نہیں رہتا۔ کہ اسے مجھ پر فوقیت حاصل ہے۔ مثلاً مبلغ علم سے ایک کا قرب اور دوسرے کا بعد۔ زمانہ حصول علم کی مدت۔ ایک کو حصول علم میں دس برس میسر آتے ہیں۔ اور دوسرے کو پانچ

وہ وسائل و ذرائع جن سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً کتب۔ و اساتذہ یکسوئی و فارغ البالی۔ مثلاً ایک کو یکسوئی اور فراغت حاصل ہے۔ کہ وہ اطمینان سے علم حاصل کرے اور دوسرے کو وہ فراغت و اطمینان حاصل نہیں۔ تو یہ حالات بھی فوق و تحت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور اسی طرح قدرتی فہم و ذکاء۔ قدرت نے ایک میں ودیعت کرتے وقت نہایت فراخدلی اور بے پایاں عطوفت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اور دوسرے میں اس کی حکمت نے اتنی فراخی کو مناسب نہیں سمجھا۔

ان ذرائع و وسائل

پر غور کیا جائے۔ تو اس نتیجہ پہ پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ کہ ان وسائل و ذرائع کے مہیا کرنے میں قدرت نے آئمہ کے متعلق جس فراخی کو روا رکھا ہے۔ ان کا عشر عشیر بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ انہی وسائل و ذرائع اور عطوفت بے پایاں نے ان کے معاصرین اور بعد میں آنے والے اہل علم اور ارباب علم کو مجبور کیا ہے۔ کہ وہ انہیں "امام" کا ذی وقار۔ اعزاز و خطاب دیں۔ خصوصاً

حضرت امام ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ

کے متعلق تو قدرت نے اسقدر فراخی اور وسعت بے پایاں سے کام لیا ہے۔ کہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جو کچھ جملہ آئمہ و اہل علم کو فرداً فرداً دیا گیا ہے۔ اور تمام افراد کو مجموعی علم و فضل صرف ذات امام ابو حنیفہ رحمۃ میں جمع کر دیا ہے۔ اسی لئے حضرت امام شافعیؒ

جیسے اولوالعزم امام کو اقرار کرنا پڑا۔ کہ

کلھم عیال ابی حنیفة فی الفقه

سب فہمی میدان میں ابوحنیفہ رح کے عیال و طفیلی ہیں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ کہ حضرت امام شافعی رح کی زبانی حضرت امام حنیفہ رح کو کتنا بڑا اعزاز و احترام دیا گیا ہے۔ اور ان کے علو شان و مقام کا کتنا وسیع اعتراف و اقرار ہے۔ اندازہ کیجئے۔ کتنی بڑی نادانی اور کم مائگی ہوگی۔ اور اس کے سوء فہم کا کتنا بڑا ناقابل تردید ثبوت ہوگا۔۔۔ جو کہئے۔ کہ:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ابوحنیفہ بھی ایک مرد تھے۔ اور ہم بھی مرد ہیں۔

ابوحنیفہ کو ہم پر کیا فضیلت و اقدمیت ہے۔ ذرائع و سائل اقدمیت علم کے جو ہم نے ابھی بیان کئے ہیں۔ غور کیجئے۔ کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو کتنے اور کس حد تک مہیا و میسر تھے۔ اور ان میں ہمیں کیا حصہ حاصل ہوا؟

بریں عقل و دانش بباید گریست

عود الی المقصد

افسوس کہ ایک ضمنی بات ذرا لمبی اور طویل ہو گئی۔ اور خطرہ پیدا ہوگیا۔ کہ میں کہنا کیا چاہتا تھا۔ اور طبیعت کی روانی مجھے کہاں لے گئی۔ میں بتانا یہ چاہتا تھا۔ کہ فرقہ اہل حدیث اور ان کا امام و پیشوا مولوی محمد مئو کے والے جنہیں ہم اس معیار عقل و تدبر سے بہت

کم خیال کرتے ہیں۔ اور وہ یقیناً اس فہم میں کم اور ان کا تدبر قطعی ناقص ہے۔ کہ انہوں نے حضرت ابو حنیفہ رح کی تقلید سے منہ موڑا ہے۔ لیکن اس زیر بحث مسئلہ کا انہوں نے صحیح فیصلہ کر دیا ہے۔ ببانگ دہل اعلان کیا۔ کہ بشریت کا اپنا مقام ہے۔ اور نور کا اپنا مقام ہے۔ اور اس سفر میں بشریت نور کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ ایک مقام پر پہنچ کر بشریت بے بس ہو کر رہ جائیگی۔ جو شاید نور کے منازل و مراتب کی وہ ابتدائی منزل ہو۔ اور کس بے باکی سے بغیر کسی ابہام کو روا رکھتے ہوئے اعلان کیا ہے ؎

غالب رہسی اوپر تیرے آخر نور الٰہی
تیری بشریت گم ہو جاسی جھڑی پہلو آہی

ان کا مقصد واضح اور بہر حال ہے۔ اور اس میں شک و ریب کی کوئی گنجائش نہیں۔ کہ مخصوص مصالح و حکم کے تحت سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم کو بشری جامہ پہنایا گیا تھا۔ جسے آپ کے ساتھ دائم رہنے کا بارا و استعداد ہی نہیں۔ جب خلاق عالم کی مخصوص حکم و مصالح پورے ہو جائینگے۔ تو بیچاری بشریت بے بس ہو کر اپنے مقام پر رہ جائے گی۔ اور نور اپنی منازل طے کرتے ہوئے پرواز کر جائیگا۔ یہ کوئی بشریت کی ہتک یا خفت نہیں بلکہ خلاق عالم نے جس مقصد کے لئے اس کی تخلیق کر روا رکھا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا حصول مقصد کے بعد اوت کا کیا کام ہے۔ کہ وہ ذات تو جیتے ہی رہیں۔ ان کا مقصد حیات پورا

ہوا اور وہ ختم ہو گئے۔ ہم دن رات مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک مقصد کے حصول کے لئے آلات کی تخلیق و تالیف ترتیب کرتے ہیں۔ جب مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ آلات خود بخود ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس شعر کو بار بار پڑھئے اور سر دھنئے کہ اس مسئلہ کو سمجھنے میں مولوی صاحب کو کس قدر تائید ربانی حاصل ہوتی ہے۔ اور کس سادہ پیرائے بغیر کسی پیچ و ابہام کے انہوں نے اس مسئلہ کو سمجھایا ہے۔ اور اہل دانش کے لئے اس کا اعلان کیا ہے۔ اور کوئی اس سادہ غیر مبہم واضح الفاظ کے جامہ میں معانی و حقائق کے سمجھنے سے قاصر ہے تو پھر اس کا خدا حافظ۔

مولوی صاحب کا یا ہمارا اس میں کیا قصور یا اختیار ہے ھذا من فضل ربی۔

"بعض جہلا"

مولوی صاحب مصنف رسالہ بشریۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صفحہ ۱۵۲ پر تحریر کرتے ہیں۔

اللہ۔ اللہ! کس غیر مبہم انداز و اسلوب سے نفس بشریت میں اپنا دوسروں کی مثل ہونا واضح فرمایا ہے۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہیں برائے نام اور بظاہر بشر ہوں۔ اور حقیقت میں کچھ اور ہوں۔ جیسے بعض جہلا نے کہا ہے۔

سہ محمدؐ سر مخفی ہے کوئی رمز اسکی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں اس فریب کا پردہ چاک فرما کر حقیقت کو واشگاف الفاظ میں فرما دیا۔ کہ محمد بظاہر بشر نہیں۔ بلکہ اوصاف و لوازم بشریت میں بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ شریک ہے۔ جس طرح دوسرے بشر خوش و ناخوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح محمدؐ بھی خوش و ناخوش ہوتا ہے۔

یغضب کما یغضب بشر۔ صلے اللہ علیہ وسلم (بشریۃ النبی ص ۱۵۷)

ہیں نے ابتدائی صفحات میں بالوضاحت بیان کیا ہے۔ کہ خداوند عالم نے اس عالم ناسوت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جامہ بشریت پسند فرمایا۔ اور بشریت کے وہ تقاضے جو نبوت سے متصادم نہیں ہوتے حزئی طور پر انہیں بھی ساتھ رہنے میں باک نہیں سمجھا۔ اس لئے ہم بحیثیت ایک مسلمان کے جبکہ ہمارا قرآن مجید کے ایک ایک لفظ۔ ایک ایک نقطہ اور ایک ایک شوشہ پر نہ صرف ایمان ہے۔ بلکہ ایمان محکم ہے۔ مجبور ہیں کہ آپ کی بشریت کا انکار نہ کریں۔ اور نہ ہی کسی اہل علم نے آج تک انکار کیا ہے۔ اور جن لوگوں کے لئے آپ مبعوث و مامور ہوئے۔ ان سے مانوس و مالوف ہونے کے لئے قرآن نے آپ سے احسن منہم بشریت کا اعلان کروا دیا۔ لیکن آپ سارا قرآن پڑھ جائیے۔ اس چیز کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ کہ آپ کی کنہ اور حقیقت بھی وہی ہے۔ جو ایک عام بشر کی ہوتی ہے۔ آپ کا جامہ

لباس یقیناً بشری ہے۔ اور وہ اوصاف جو ظواہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے چلنا، پھرنا، بولنا، چالنا۔ کھانا پینا۔ صحت و بیماری۔ ایک ظاہر بین کے لئے وہی بھی جو عام نوع بشری کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایک غائر و دقت نظر سے مطالعہ کرنے والے کو عیاں محسوس ہوتا ہے۔ کہ سب کچھ ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ یہ تفریق و امتیاز ناظر کی قوت و ضعف بصر و بصیرت پر موقوف ہے۔ سب کچھ ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ بشرہ ہے۔ ناک ہے۔ ہاتھ ہے۔ پاؤں ہیں۔ بول چال ہے اٹھنا بیٹھنا ہے۔ خوشی۔ ناخوشی ہے۔ لیکن ایک دوسرا ناظر جس کی بصارت و بصیرت کی استعداد عوام کی بصارت و بصیرت سے ممتاز و متمیز ہے۔ وہ کہتا ہے عوام الناس سے آپ کی مماثلت صحیح کسی چیز میں بھی نہیں۔

آپ کا بشرہ مبارک ہے۔ تو اس کی شان حسن و جاحت الگ۔ اور نرالی ہے وہ کہتا ہے۔ کہ میں روئے زمین عالم کے ایک سرے سے دوسرے تک چلا جاؤں۔ اور ایک ایک انسان کا بشرہ دیکھوں۔ تو مجھے اشتراک اسمی کے سوا بشرہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی مماثلت کہیں نظر نہیں آئیگی۔ اور یہی پوزیشن ہے۔ جملہ عوارض بشری کی۔ آنکھ دیکھئے۔ ناک دیکھئے۔ ہاتھ دیکھئے۔ اٹھنا بیٹھنا۔ کھانا پینا سونا۔ جاگنا۔ [illegible] غرض جملہ عوارض بشری کا پورا پورا جائزہ لیجئے۔ تو ہمیں سوائے اشتراک اسمی کے۔ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا ملیگا۔ اور نہ ہی بیٹھنا ملے گا۔ اور نہ ہی ایسا سونا ملیگا نہ جاگنا [illegible] نہ کہیں ایسا چلنا پھرنا نظر آئیگا۔

سونا ہے تو یہ ہے۔ کہ بنام عینی و لانام قلبی۔ کھانا پینا ہے۔ تو متواتر کئی کئی دن تک نہیں کھاتے۔ تتبع و تقلید کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو جھڑک دیتے ہیں۔ ایکم مثلی۔ اللہ یطعمنی ویسقینی۔ تم ہر معاملہ میں میرا تتبع نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ تمہارے معاملے سے الگ ہے۔ میں بظاہر کچھ نہیں کھاتا۔ لیکن خدا مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اب آپ اس کھلانے پلانے کی حقیقت و کنہ بیان کیجئے۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل کی حقیقت و کنہ نہیں بیان کر سکتے۔ وہ چلے ہیں۔ ذات اقدس کی کنہ و حقیقت بتانے۔ بہرحال یہ ایک طویل داستان ہے۔ جس کے بیان کے لئے کئی دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اس لئے میں اس مضمون کو مختصر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور اس ضمن میں چند باتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

مجھے دکھ ہوا ہے۔ کہ مولوی صاحب نے ہمہ دانی کے جذبہ میں وہ کچھ کہہ دیا ہے۔ جو نہیں کہنا چاہئے تھا۔ بلکہ اس نازک معاملہ میں آگے پیچھے دیکھ کر ایسا فتوی دینا چاہئے تھا۔ جو قرآن کے خلاف نہ ہوتا۔

اس وقت میرے سامنے جناب مولوی محمد قاسم صاحب بانیٔ مدرسہ دیوبند کا وہ مشہور و معروف قصیدہ ہے جو قصائد قاسمی میں درج ہے۔

اس کے چند اشعار نقل کرتا ہوں۔ کہ جناب بخاری صاحب کا یہ فتویٰ "بعض جہلا" کی زد کہاں تک جا پہنچی ملاحظہ فرمایئے۔

اشعار از قصائد قاسمیہ

ابیات

جلو میں ترے سب آئے عدم سے تا بوجود
بجا ہے تم کو اگر کہئے مبدء الآثار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال
بغیر بندگی کیا ہے ۔ لگے جو تجھ کو عار
بجز خدا کے بھلا تجھ کو کوئی کیا جانے
تو شمس نور ہے ۔ شپرِ غطا او لو الابصار
رہا جمال پہ ترے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار
(قصائد قاسمیہ)

پہلے دو اشعار میں انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے ۔ کہ خدائے قدوس اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی ایسی سرحد خالی نہیں ۔ جہاں آپ نہ پہنچے ہوں ۔ اور وہ مقام الوہیت اور خدائی نہ ہو ۔ گویا جہاں آپ پہنچے ہیں ۔ اس سے اگر ترقی متصور ہو ۔ تو وہ الوہیت ہے ۔

آخری دو اشعار میں، اعلان کرتے ہیں۔ کہ حضور کی حقیقت اور کنہ کو بغیر خداوند تعالیٰ کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ باقی رہا بشریت کا معاملہ۔ تو بشریت کی پوزیشن حجاب سے آگے نہیں۔ اور حقیقت محمدیہ اور بشریت میں وہی مناسبت تعلق ہے۔ جو تعلق حجاب و محجوب میں ہوتا ہے۔ مثلاً کپڑا حجاب ہے۔ اور بدن محجوب۔ ان میں نوعی اور صنفی کوئی اشتراک نہیں۔ جامہ یا کپڑا بدلا بھی جا سکتا ہے۔ اور بوقت ضرورت اسے اتار کر پھینکا بھی جا سکتا ہے۔ یہی پوزیشن بشریت کی ہے۔ اس کے مراتب میں تغیر تبدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ اور ملاء اعلیٰ سے نسبت قریبہ قائم کرتے وقت اسے دور بھی کیا جا سکتا ہے۔

میں بخاری صاحب سے درخواست کرونگا۔ کہ وہ اپنے فتویٰ پر قائم رہتے ہوئے اس کی حدود وسعت کا جائزہ لیں۔ کہ اس کے اثرات کن نامناسب حدود تک پہنچ گئے ہیں۔ جنہیں استاد۔ بزرگ۔ نثار کوچہ اطہر نبوی۔ حجۃ الاسلام۔ شیخ الاسلام وغیرہ خطابات و القابات دیتے ایسے لوگوں کی زبان نہیں تھکتی۔ بیک جنبش قلم۔

ان القاب و خطابات کے ساتھ بعض بد کا اضافہ بھی کر دیا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اب بعض جہلاء کے شعر کو جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے شعر کے ساتھ رکھ کر پڑھیے۔ اور اتیانہ و تفریق کے لئے اپنی پوری علمی استعداد

صرف کیجئے۔ تو یقیناً آپ کو مایوسی ہوگی۔ اور آپ کوئی تفریق یا امتیاز نہیں بیان کر سکیں گے۔

بعض جہلاء کا شعر

محمد سرِ مخفی ہے کوئی رمز اُس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

جناب محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کے اشعار

(۱) رہا جمال پہ ترے حجاب بشریت
نہ جانا کون ہے۔ کچھ بھی کسی نے جز ستار
(۲) بجز خدا کے بھلا تجھ کو کوئی کیا جانے
تو شمس نور ہے۔ شپّر نمط اولو الابصار

دوسرے شعر میں نہ جاننے کی وجہ و علت بیان کرتے ہیں۔ کہ تو یعنی سرور دو عالم مانند شمس ہے۔ اور کائنات کے اہل دانش و اولوالابصار چمگادڑوں کی مانند ہیں۔ تو بھلا چمگادڑ نور شمس کا احاطہ یا اُس کی کنہ تک پہنچ سکتی ہے اُسے تو اتنی ہمت و جرأت بھی نہیں ہوتی۔ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ تو اس حالت میں اس کے احاطے کا تصور بھی کیسے کیا جا سکتا ہے:——— حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح:—

حضرت مجدد صاحب نے حضور کی کنہ و حقیقت تک نارسائی کو دلائل و

براہین سے کھل کر بیان کیا ہے۔ اور فرمایا کہ حقیقت محمدیہ لامحدود ہے۔ لامکان ہے۔ اور اس کیلئے نہ کوئی جہت ہے۔ نہ حدود نہ اس کے لئے کوئی زمانہ ہے۔ نہ مکان اور حیز۔ تو ایک محدود کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لامکان و لامحدود تک رسائی کا دعوے کرے۔ یہ ناممکن ہے۔ اور نامعقول بھی:

فرماتے ہیں:—

کشف صریح سے معلوم ہوا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے۔ جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشاء عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اس عالم سے برتر ہے یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۱۰۰ دفتر سوم ص ۲۶۵ تا ۲۶۸)

حضرت مجدد رح کس قدر واضح اور غیر مبہم انداز میں فرماتے ہیں۔ کہ صحیفۂ عالم ممکنات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود مشہود ہی نہیں ہوتا۔ تو اندازہ فرمائیے۔ کہ جس وجود کے شہود سے ہی ہم قاصر۔ عاجز و بے بس ہیں۔ اس کی حقیقت و کنہ تک ہماری رسائی کہاں تک امکان ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک تمثیل سے سمجھ لیجئے۔ مثلاً ایک شخص لاہور کی حدود کے اندر موجود ہی نہیں

بلکہ اس کا بسیرا اور مقام کہیں دور دراز پہاڑی مقامات پر ہے۔ جہاں ہماری رسائی کی کوئی صورت ہی نہیں۔ تو پھر بتائیے۔ کہ اس شخص کی تفصیلات سے ہم کیسے باخبر ہو سکتے ہیں۔ ہم تو مجبور اور معذور ہیں۔ کہ صرف اتنا ہی کہیں جو ہمیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے۔ اس سے آگے ہمارے پاس سوائے خاموشی اور اظہار لاعلمی کے اور کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہماری یہی پوزیشن ہے۔ جتنا کچھ ہمیں بتایا گیا۔ بغیر اس کے کہ تفصیلات میں جائیں۔ ہم مجبور ہیں۔ کہ مجملاً اس پر ایمان لائیں۔ تفصیلات و حقائق ہمیں بتائے گئے ہیں۔ اور نہ ہی ہم اس کے لئے مجبور ہیں۔ کہ وہاں تک رسائی حاصل کریں۔ جب کہ تفصیلات حقائق ان حدود سے ورا ہیں۔ جہاں ہمارا بسیرا ہے۔ ہم ان حدود کے اندر ہیں۔ جنہیں حدود امکان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جن حدود کے اندر ہم رہتے ہیں۔ اور جہاں تک ہماری رسائی ممکن ہے۔ وہاں کی جملہ اشیاء کے احاطہ علمی کیلئے بھی ہمیں بہت بڑی جدوجہد چاہئے۔ اور ساتھ ہی استعداد صحیحہ اور پورے اور وسیع وقت کی امداد سے اس استعداد طبعی کو پوری طرح بروئے کار لانے کے بعد ہی متصور ہو سکتا ہے کہ اپنے حیز و مکان کی جملہ اشیاء تک رسائی میں کسی حد تک کامیاب ہوں۔ خدارا غور کیجئے کہ یہ کائنات اور اس کے حدود کے اندر قدرت کے جو دفینے موجود ہیں۔ انہیں معلوم اور ان سے استفادہ کرنے کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں برس سے انسان کا

ہوا ہے۔ اور کل یوم ھو فی شان - اور ہر صدی کے بعد ایک خزانے تک انسان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب وہ صدی اختتام کو پہنچتی ہے - تو ایک نئے خزانے کا کھوج لگتا ہے۔ جس سے وہ لوگ محروم تھے۔ جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اگر یہی رفتار رہی تو شاید زمانہ آئیگا۔ کہ ہمارے بعد آنے والے اہل دانش ایسے خزائن کی دریافت میں کامیاب ہو جائیں گے۔ جن کی ہمیں ہوا تک بھی نہیں لگی۔ یہ حال تو ہے۔ ان اشیاء و خزائن کا جو ہمارے حیز و مکان میں موجود ہیں۔ جہاں ہم رہ رہے ہیں۔ - اور وہاں تک پہنچنے اور حاصل کرنے میں کوئی آئینی اور بنیادی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور ان کے حصول یا عدم حصول کا دارو مدار صرف ہماری جدوجہد پر موقوف ہے۔

غور کیجئے اور بتائیے۔ کہ وہ حقائق اور قدرت کے وہ خزانے اور وہ معلومات جو ہمارے حیز و مکاں سے جہاں ہم رہ رہے ہیں۔ اس مکان و حیز سے الگ کسی دوسرے مکان اور حیز میں قدرت نے ہم سے مخفی کر رکھے ہوں۔ اور ہماری قوت استعداد جو ہمیں ودیعت کی جا چکی ہے۔ اس سے ورا ، الگ۔ بلند دور دراز مقامات میں انہیں چھپا رکھا ہو۔ تو وہاں تک رسائی کا تصور ہی کیسے ہو سکتا ہے جس کی استعداد ہی ہمیں نہیں عطا کی گئی۔

یہی پوزیشن حقیقت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اس کا مکان اور حیز۔ ہم سے جدا۔ اس کا امکان و حدوث ہم سے الگ۔ انکی خلقت ہی ان صفات و اوصاف

خداوندی سے ہوئی۔ جن سے ہمیں محروم رکھا گیا ہے۔ تو وہاں تک ہماری سائی کیسے ہوسکتی ہے۔ ہم تو مجبور و محدود ہیں۔ کہ وہاں تک رہیں۔ جو کچھ ہمیں بتایا گیا ہے۔ اس سے آگے کا معاملہ اسی خدا کو سونپیں جو خالق کون و مکان ہے

جہاں ہماری عقل لنگ ہے۔ اور ہماری زبان گنگ۔ کہاں ہم اور کہاں وہ حقائق اور خصوصاً حقیقت محمدیہ کی کنہ ہم صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جائیں تو ہماری سلامتی ہے۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلاً۔ اور بس

ہمارے محترم دوست بخاری صاحب ایسے چوراہے میں جا کھڑے ہوئے ہیں۔ جہاں سے انہیں سرکتے ہی بنے گی۔ ورنہ اس مقام کی تعبیر جو کسی بزرگ نے کی ہے۔ اس سے بچاؤ مشکل نظر آتا ہے:——————

.

ہم کسی مسلمان کو اس پر دیکھنا نہیں چاہتے۔ اور ہماری دعا ہے۔ کہ خداوند کریم مسلمانوں کو زیادہ دیر ایسے مقام پہ ٹھہرنے سے محفوظ رکھے۔ اور بہت جلد اس مقام سے ہٹ جانے کے سامان مہیا کرے۔ آمین۔

لغزش کی بنیاد

اب ہم ایسے مزلتہ الاقدام مقامات کی نشاندہی کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں سے اچھے بھلے اہل علم کے پاؤں بھی پھسل جاتے ہیں۔ جناب نور الحسن صاحب بخاری کا گو تعلیمی لحاظ سے [illegible] شمار طبقہ علماء میں نہیں ہے۔ لیکن مزاولت مشاغلت جو انہیں علم و اہل علم سے رہی ہے۔ یہ بذات خود ایک گونہ اہمیت رکھتی ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کی کوالیفکیشن ہی شمار کی جاتی ہے۔ اور اس امر کے لئے ایک واضح اور کھلا جواز پیدا کرتی ہے۔ کہ انہیں طبقہ علماء میں شمار کیا جائے۔

اس لئے ہم ان کے فہم و ذکاء اور خلوص سے توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ وہ لغزش کی بنیاد پر مطلع ہونے کے بعد اپنے قائم کردہ نامناسب رشتہ پر غور کرنے میں کسی جذباتی وقار کو حائل اور رکاوٹ نہیں بننے دینگے۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ ان سے غلطی نور کے معنے سمجھنے اور اسے ایک محدود محصور مفہوم میں پابند کر دینے سے ہوئی ہے۔ اور انہوں نے نور کا مصداق ملائکہ کو قرار دیتے ہوئے۔ بشر اور ملائکہ کا مغایرت ثابت کر دیا ہے۔ اور سارا نتیجہ اس بات پر ختم کر دیا ہے کہ بعض بشر بعض ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس لئے بشر ملائکہ سے افضل رہے۔ اور اس امر کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ کہ قرآن مجید نے لفظ نور کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔

جہانتک میں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوا ہے کہ قرآن نے لفظ نور کو ملائکہ پر اطلاق ہی نہیں کیا۔ البتہ حدیثوں سے ضرور مستفاد

ہوتا ہے۔ کہ ملائکہ نوری مخلوق ہیں۔ اور یہی عام طور پر شہرت یافتہ عقیدہ ہے۔ اور ہم بھی اس سے انکار میں کوئی مفاد نہیں دیکھتے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ بعض ملائکہ پر بعض افراد بشر کا افضل ہونا اس بات کا ثبوت کہاں سے مہیا کرتا ہے۔ کہ ملائکہ نور یعنے نور کے وہ جملہ مفاہیم و معانی قرآن مجید سے مستفاد ہوتے ہیں۔ ان تمام معانی اور مصداق سے بشر افضل و اکرم ہے۔ لفظ نور کا جہانتک میں نے استقراء و تلاش کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے لفظ نور کا آٹھ معانی و مفاہیم پر اطلاق و استعمال کیا ہے۔ اور ان آٹھ معانی میں سے ملائکہ نہیں ہیں مجھے دعوےٰ نہیں لیکن میرا استقراء یہی ہے کہ قرآن مجید نے لفظ نور کا ملائکہ پر اطلاق نہیں فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے۔ کہ نور و بشر کی بحث کرتے وقت بخاری صاحب نے قرآن مجید اور اس سے بیان کردہ معانی و مفہوم کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ حالانکہ چاہیئے۔ تو یہ تھا۔ کو سب سے اول اس امر کی تحقیق کی جاتی ہے۔ کہ قرآن مجید نے لفظ نور کو کن کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد غور کیا جاتا۔ کہ قرآن مجید نے جن امور کو لفظ نور کا مصداق قرار دیا ہے۔ ان تمام معانی اور مفہوم سے مصداق سے لفظ بشریت کی کیا نسبت ہے۔ اور کیا لفظ نور کے جو مصداق ہے بشریت کا مصداق افضل ہے۔ اور اس امر کا پورا پورا جائزہ لیا جاتا اور پوری تحقیق و تفتیش کی جاتی پھر تو کوئی بات تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ نور کا مصداق ملائکہ کو قرار

دیا گیا۔ اور ہیئے نور و بشر کا تقابل و تناسب کرکے اور ثابت کیا۔ کہ بعض افراد بشر، بعض افراد ملائکہ سے بہتر و افضل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہو گیا۔ کہ بشر نور سے افضل و بہتر ہے۔ اس لئے حضور سرورِ کائنات بشر ہیں۔ نور نہیں۔ سبحان اللہ عجیب جائزہ ہے۔ عجیب تحقیق ہے۔ اور عجیب فیصلہ!۔

نور کا مفہوم اور مصداق

اب ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید نے کن معانی و مفاہیم کو لفظ نور کا مصداق قرار دیا ہے۔ تاکہ حقیقت سامنے آجائے۔ اور کوئی ابہام اور الجھن باقی نہ رہے اور معلوم ہو جائے کہ بشریت کن معنوں میں نور سے افضل و برتر ہے۔ اور کہاں یہ بیچاری گھٹنے ٹیک کر اعتراف عجز کرتی ہے کہ مجھے اس سے مقابلہ کا یارا نہیں۔

پہلے ہم لفظ نور کے مصداق و مفاہیم بیان کرتے ہیں۔ جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں۔ اور اس کے بعد ہر معنے و مفہوم کے متعلق آیات قرآنیہ بطور دلائل و شواہد لائینگے۔ تاکہ قرآن مجید کی روشنی میں معاملہ طے ہو جائے اور بحیثیت مسلمان و مومن بالقرآن کسی کو مزید جھگڑنے کی گنجائش نہ رہے۔ قرآن مجید نے مندرجہ ذیل معانی و مفاہیم کو لفظ نور کا مصداق قرار دیا ہے:۔

(۱) ذات قدس جل جلالہ پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:-

اللہ نور السمٰوات والارض۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔

پارہ ۱۸ رکوع ۱۵۔ سورہ النور

یہاں نور کا اطلاق ذات احد جلالہ پر ہوا ہے۔ کہ ذات قدس جل جلالہ۔ ایک نور ہے۔ جو زمین و آسمان میں پھیلا اور بکھرا ہوا ہے۔

(۲) لفظ نور سے ذات سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم۔ بھی مراد لی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:-

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔ پارہ ۶ رکوع ۶ سورۂ مائدہ

جماعت مفسرین متقدمین سے اکثر اس طرف گئے ہیں۔ کہ یہاں لفظ نور سے مراد ذات بابرکات حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ پہلے تفصیلاً گزر چکا ہے۔

(۳) روشنی۔ اجالا۔ جہاں نور کے مقابل ظلمات کا تذکرہ ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ارشاد خداوندی جل جلالہ

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور۔ والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت۔ یخرجونھم من النور الی الظلمات۔ اولٰئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ پارہ ۳ رکوع ۲۔ سورہ بقرہ۔

یہاں دونوں مقام پر نور کے مقابل لفظ ظلمات آیا ہے۔ اس سے یہاں

نور کے معنے روشنی اور اُجالا کے ہونگے جو کنایہ ایمان و اسلام سے ہے۔

ور اسی طرح ارشاد ہوا ہے ——————

ھوالذی یصلی علیکم و ملائکتہ لیخرجکم من النور الی الظلمات

وکان بالمؤمنین رحیما۔ پارہ ۲۲۔ سورہ احزاب رکوع ۶۔

وما یستوی الاعمیٰ والبصیر۔ ولا الظلمٰت ولا النور

ولا الظل ولا الحرور۔ پارہ ۲۲۔ سورہ فاطر۔ رکوع ۱۴

ھوالذی ینزل علیٰ عبدہٖ اٰیٰتٍ بیّنٰت لیخرجکم من

الظلمٰت الی النور۔ پارہ ۲۷ سورہ الحدید۔ رکوع ۱۶

ان سب آیات میں نور کے معنے روشنی اور اُجالا کے ہیں اور کنایہ

ایمان و ہدایت سے ہے۔

(۴) قرآن مجید و فرقان حمید۔ ارشاد ہوا ہے ——————

یاایھا الناس قد جاءکم برھانٌ من ربکم وانزلنا الیکم

نوراً مبینا۔ پارہ ۶ سورہ النساء رکوع ۳

یہاں نور سے مراد قرآن مجید ہے اور لفظ انزلنا اس معنی کی تعین کرتا ہے۔

اور اسی طرح ارشاد ہوا ہے ——————

فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل

معہ اُولٰئک ھم المفلحون پارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۸

اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے ـــــــــــ

فامنوا باللّٰہ ورسولہ والنور الذی انزلنا و اللّٰہ بما تعملون خبیر۔ پارہ ۲۸۔ رکوع ۱۳۔ سورہ تغابن

ان تمام آیات میں نور سے مراد قرآن مجید ہے۔

(۵) توراۃ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ ارشاد ہے۔

قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسٰی نورًا وھدًی للناس۔ پارہ ۷۔ سورہ انعام۔ رکوع ۲۷۔

یہاں نور سے مراد توراۃ ہے جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی

(۶) قرآن مجید میں نور کا لفظ ہدایت کے معنے میں بھی آیا ہے۔ ارشاد ہے۔

امن شرح اللّٰہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہٖ ط پارہ ۲۳۔ سورہ الزمر۔ رکوع ۱۶۔

یہاں نور سے مراد ہدایت ہے جو اسے اپنے رب کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔

اور اسی طرح ارشاد ہوا ہے ـــــــــــ

نُورٌ علیٰ نُور یھدی اللّٰہ لنورہٖ من یشاءُ ط ویضرب اللّٰہ الامثال للناس ط واللّٰہ بکل شیءٍ علیم۔ پارہ ۱۸۔ سورہ نور۔ رکوع ۱۰

یہاں بھی نور سے مراد ہدایت ربانی ہے بقرینہ یھدی علی نورہٖ۔ چنانچہ پہلی آیت میں تھا۔ نورٌ من ربہٖ وہاں بھی نور سے مراد ہدایت ہے اور

یہاں بھی ہدایت۔ اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔

ومن لم یجعل اللہ لہٗ نورًا فما لہٗ من نور۔ پارہ ۱۸، سورہ نور ع۵۔

یہاں بھی پہلے نور سے مراد روشنی ہے۔ اور دوسرے سے مراد ہدایت یعنی جس کیلئے اللہ کی روشنی نہیں۔ اس کیلئے ہدایت بھی نہیں۔

(۷) بمعنے رحمت۔ عطوفت و انعام کے بھی لفظ نور آیا ہے۔ ارشاد ہے۔

یوم تری المؤمنین والمؤمنٰت یسعی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم بشرٰکم الیوم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ھو الفوز العظیم۔ پارہ ۲۷، سورہ حدید۔ رکوع ۱۔

اور اسی طرح اسی رکوع کے اخیر میں آیا ہے ــــــــ

والذین اٰمنوا باللہ ورسلہٖ اولٰئک ھم الصدیقون والشھدآء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم۔

پارہ ۲۷، سورہ حدید۔ رکوع ۱

ان دونوں آیات میں نور سے مراد رحمت عطوفت و انعام و اکرام ہے۔ پہلی آیت میں قرینہ ہے کہ نور کے بعد جنت و انہار کا ذکر فرمایا ہے اور دوسری آیت میں اجر کے بعد نور کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یعنی ان نیک حضرات کو جہاں ان کے اعمال صالحہ کا اجر ملے گا۔ وہاں مزید انعامات و کرامات سے بھی انہیں نوازا جائے گا۔

(۳) محض اسلام و دین حق کے معنوں میں بھی لفظ نور کا استعمال ہوتا ہے

ارشاد ہوتا ہے ـــــــــــ

یُرِیدُونَ لِیُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ

نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ پارہ ۲۸۔ سورہ صف۔ رکوع ۱۔

یہاں نور سے مراد اسلام اور دین حق مراد لیا گیا ہے۔ کفار جسے بجھانے اور ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اسلام ہے۔ دین حق ہے جس کی تکمیل کا وعدہ خداوند کریم فرماتے ہیں۔ یہ ہیں وہ معانی جنہیں قرآن مجید میں مراد لیا گیا ہے۔ اور مزید استقرار تجسس اور تلاش سے ان پر اضافے کی امید کی جا سکتی ہے۔

"حیرت"

حیرت تو اس امر پر ہوتی ہے کہ نور کے معنے کو اپنی طرف سے ملائکہ میں محصور و محدود کر دیا گیا۔ اور اس مفروضے پر پوری کتاب لکھدی۔ طرفہ یہ کہ قرآن نے لفظ نور کو ملائکہ پر کہیں استعمال نہیں کیا۔ اور بالفرض کہیں ملائکہ کو لفظ نور سے تعبیر کیا بھی ہو۔ تو وہ متعدد معانی میں سے نور کا ایک معنی متصور ہو گا۔ اور بعض ملائکہ کا بعض افراد بشر سے افضل ہونا۔ اس بات کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے کہ بشر نور سے افضل برتر و اکرم ہے۔ اس سے تو زیادہ سے زیادہ

ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ بعض افراد بشر بعض افراد ملائکہ سے برتر و افضل ہیں۔

مسئلہ صاف واضح اور غیر مبہم ہے۔ اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور اس میں شک و ریب کی قطعاً گنجائش نہیں۔ کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات سے نہ صرف یہ کہ افضل و برتر ہیں۔ بلکہ تمام کائنات کا ابتدائی وجود ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیلی ہے۔ آپ کا محتاج اور آپ کے توسط و وسیلے سے تخلیق پذیر ہوا ہے اور خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں اپنے محبوب کو لفظ نور سے تعبیر فرمایا ہے اور جہاں نور سے مراد ذات سرور کونین ہو۔ وہاں کوئی دوسری چیز جرأت کر سکتی ہے۔ کہ افضلیت میں اس کا مقابلہ کرے۔ نور کے معانی طیب اطہر ہیں غل و غش سے منزہ و مطہر ہیں اور قرآن مجید نے اسے یہ شرف بخشا ہے۔ کہ اس کا اطلاق ذات سرتاج کونین پر کیا جائے۔ اس لئے ہم بھی اس تعبیر میں خوشی۔ تنزہ اور آقائے نامدار کا علو و رفعت محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نور کے معانی میں کسی درجہ میں کسی وقت و کسی زمانہ میں کوئی غل و غش یا دنو و سفل نظر نہیں آتا۔

اس کے مقابلے میں بشریت کا اطلاق بشرائط ذات کونین پر ہوا ہے۔ اور اگر ان شرائط کو ایک لمحہ بھی نظر انداز کیا جائے اور بشریت بحتہ کو اس کی ذات اور

اس کے تقاضوں کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ تو وہاں تلوث۔ دلوٗ۔ اور تسفل سے یہ لفظ لتھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اور قرآن مجید نے جہاں کہیں بشریت کو اونچا کرنے کے لئے ذاتِ سرورِ عالم پر اطلاق کیا ہے۔ ان شرائط کو پوری طرح ملحوظ نظر رکھا ہے اور کسی وقت بھی اسے یوں کھلا نہیں چھوڑا۔ کہ بشریت ذاتی کے تقاضے ان کے گرد چکر لگا سکیں اور اور باوجود ان شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنے کے آپ کو اس لفظ سے کبھی خطاب نہیں کیا گیا۔ سارا قرآن پڑھ جائیے۔ آپ کو یقیناً مایوسی ہوگی کہ کسی ایک مقام پر بھی خداوند تعالیٰ نے انہیں یا ایّہا البشر سے تعبیر کیا ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔ جبکہ حالات کی رفتار یہ ہے۔ اور معاملہ یا رنگ یوں ہے کہ جب تک پوری شرائط ملحوظ خاطر نہ رکھی جائیں۔ اس وقت تک آپ کی ذات والاصفات پر ایسے لفظ کا اطلاق ہزار ہا فتن اور خرابیوں کا منبع و مبدا بن سکتا ہے۔ اور صرف اطلاق سے اس لفظ کی (یعنی بشریت) افضلیت کا ادّعا یا اس کے متعلق بحث و مباحثہ فرط انعقاد کے سوا کس منفعت کی توقع دلا سکتا ہے۔ عرب خرط القتاد اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام نہایت اہتمام اور تندہی اور محنت و مشقت سے کیا جائے اور اس کا کوئی نتیجہ یا فائدہ نہ ہو۔ قتاد ایک خاردار بوٹی یا پودا ہے۔ جو چھوٹے کانٹوں سے لیس ہوتا ہے اگر ان کانٹوں کو دُور کیا جائے۔ تو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے

اور اس کا کوئی مفید نتیجہ یا مفاد نہیں ہوتا۔ خرط کے معنے چھیلنا اور کانٹوں کو دُور کرنا ہے ——————

قل اِنما انا بشرٌ مثلکم یوحیٰ الیّ (القرآن)

اَب وقت آگیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی اس آئیت مبارکہ کا ترجمہ یا مفہوم بیان کر دیا جائے۔ تو وہ اہلِ ذوق جنہیں قرآن فہمی کی طرف توجہ ہے وہ اس آیت کے سمجھنے میں زیادہ دقت محسوس نہیں کریں گے۔ قرآن فہمی کے لئے ضروری اور اشد ضروری ہے۔ کہ فطرت سلیمہ ہو۔ اور قلب و دماغ میں قرآن فہمی کا سچا شوق اور تڑپ ہو اور جس آئیت کو وہ سمجھنا چاہتا ہو اس کے ما قبل و ما بعد اس کی پوری نظر ہو۔ قرآن و اسلام کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہو۔ لغتِ عرب اور ان کے صیغوں کے استعمال و مقام سے باخبر ہو۔ ورنہ یہ بھی تو قرآن مجید کا فتوٰے ہے کہ ——————

یُضل بہٖ کثیراً ویھدی بہٖ کثیرا۔

جو شخص مذکورہ بالا خصائص سے عاری و خالی ہو اور قرآن فہمی کا ادّعا کرے تو وہ اسی قرآن کے فتوٰے سے گمراہ اور بے راہ ہو جاتا ہے۔

اِنّما انا بشرٌ مّثلکم یوحیٰ الیّ (القرآن)

ایک مختصر سا آیت کا ٹکڑا ہے اور اس میں کوئی مشکل یا ثقیل غیر مانوس

لفظ یا لغت بھی نہیں۔ لیکن جن لوگوں نے اسے سمجھنے کے لئے پورا پورا اہتمام نہیں کیا۔ اور لغت عرب کے مطابق اس کا مفہوم۔ جائے استعمال اور ان الفاظ کے آپس میں تعلقات پر غور نہیں کیا۔ اور سنی سنائی بات کے مطابق معانی متعین کرتے گئے۔ تو وہ گمراہ ہو گئے اور جن لوگوں نے توفیق ایزدی سے ان الفاظ کے صحیح معنے کئے اور ان کا صحیح مقام سمجھا اور ان الفاظ کے آپس کے ربط و تعلق پر پوری طرح غور و خوض کو ملحوظ خاطر رکھا۔ تو وہ ہدایت یافتہ ہوئے۔

یہاں تین لفظ غور طلب ہیں۔ بشر۔ مثل۔ یوحیٰ۔ ان کی لغت کو سمجھنا ہے۔ ان کے استعمال کا صحیح مقام متعین کرنا ہے۔ اور اسی طرح وحی اور یوحیٰ کے صحیح مفہوم کو سمجھنا اور ان کے آپس کے ارتباط پر غور کرنا ہے پھر مجموعہ مفہوم متعین کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ بشر کی بحث تو میں نے تفصیل سے کی ہے اور جو اس کتاب کے پچھلے صفحات میں موجود ہے۔ اس کے بعد نمبر ہے لفظ مثل کا۔ یہ لفظ اہل عرب ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں جہاں دو افراد یا اشخاص میں کوئی وجہ مشترک ہو۔ گویا یہ لفظ تشبیہ کیلئے آتا ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ ان دو اشخاص یا افراد میں کوئی امر مشترک ہے لیکن ضروری نہیں کہ بالکل ایک دوسرے کی کاپی ہو۔ کہ بعض امور میں وہ ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوں۔ ورنہ "مثل" کا لفظ نہیں لایا جاتا۔ باقی رہا "یوحیٰ" اس کا مصدر ہے۔ وحی اس کے معنے ہیں خداوند تعالیٰ سے وہ

خصوصی قرب ورابطہ کہ وہ ملاء اعلیٰ سے فیض حاصل کرسکے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ مقام کب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق تفصیلاً بحث اسی کتاب کے ابتدائی حصہ میں آچکی ہے۔

اس کے متعلق علامہ ابن خلدونؒ کا بیان واضح اور مشرح ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب تزکیہ نفس اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ بشریت اور اس کے تقاضے فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ حالت مجاہدات سے حاصل ہو تو اسے الہام کہتے ہیں۔ اور اگر بغیر مجاہدات وہبی اور فطری ہو تو اسے وحی کہتے ہیں۔ اور یہ انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

تشریح الفاظ کے بعد معنے یہ ہوئے۔ کہ کہہ دیجئے (یا محمدؐ) میں ایک بشر ہوں۔ اس کائنات میں میرے لئے بشری جامہ پسند کیا گیا ہے اور بعض امور میرے اور تمہارے درمیان مشترک ہیں یعنی حلیہ کی بناوٹ۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا۔ پھرنا۔ سونا۔ جاگنا اور دیگر حوائج

یوحیٰ سے اعلان فرمایا کہ اہم امور میں میری حالت تمہاری حالت سے قطعی مختلف ہے۔ میری بشریت فنا ہو چکی ہے۔ اور اس کا صرف عنوان رہ گیا ہے۔ کیونکہ جب تک بشریت اور اس کے تقاضے موجود ہوں۔ یوحیٰ کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

مثلاً آپ نے دیکھا ہو گا۔ کہ بعض اشیاء حقیقتاً جل چکی ہوتی ہیں۔ اور

ایک دیکھنے والا یہی محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ شئے بدستور صحیح وسالم موجود ہے جب اسے چھوا جاتا ہے تو حقیقت سے آگاہی ہوتی ہے کہ اس میں کچھ رمق حقیقت کی موجود نہیں۔ صرف راکھ ہی راکھ ہے۔ لیکن باوجود راکھ اور فنا ہو جانے کے ظاہری طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ چیز بدستور صحیح وسالم موجود ہے۔

یہی حالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ آپ کی بشریت کا صرف خاکہ موجود تھا۔ اور حقیقت میں ختم اور فنا ہو چکی تھی۔ اور اس کے تمام تقاضے یا اوصاف بالکلیہ ختم ہو چکے تھے۔ ایک ظاہر بین کو یہی معلوم ہوتا تھا کہ آپ تمام تقاضائے بشریت میں ہماری طرح کے ایک بشر ہیں۔ بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی بشریت کو دیکھا اور اسی پر جم گئے۔ وہ گمراہ ہوئے۔ کیونکہ آپ کی بشریت جل کر راکھ ہو چکی تھی اور انہوں نے اس جلی بھنی راکھ کو دیکھکر دھوکہ کھایا۔ اور جن لوگوں نے آپ کی بشریت کو دیکھکر سمجھا اور حقیقت واقعیہ جسے حقیقت محمدیہ بھی کہا جاتا ہے اور اسے نور کے مقدس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ اس طرف نظر میں کامیاب ہوئے۔ تو وہ فلاح پا گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بشریت پر بک جانے والے پکار اُٹھے۔

أبشر يهدوننا

وہ لوگ اس بشریت کو دیکھ رہے تھے۔ جو حقیقت میں جل کر راکھ ہو۔

چکی تھی۔ اور اس کے جملہ تقاضے ختم ہو چکے تھے۔ اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اور سارا کام حقیقت محمدیہ کر رہی تھی۔ جس کی دوسری تعبیر لفظ نور سے کی جا سکتی ہے اور وہ بیچارے حجاب کو حقیقت سمجھ رہے تھے۔ اور محجوب (جو حقیقت واقعیہ سے) حقیقت سے قطعی بے خبر و ناواقف تھے۔ اور باوجود سمجھانے کے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ یا تعصب اور ضد میں آ کر سمجھا ان سمجھا کر رہے تھے۔

میں اسے زیادہ طوالت میں نہیں لے جانا چاہتا۔ کیونکہ پوری تفصیلات اسی کتاب کے ابتدائی حصے میں گزر چکی ہیں اور انہیں دوبارہ دہرانے میں کوئی فائدہ نہیں۔

ایک وزن دار حقیقت

اس حقیقت میں بڑا وزن ہے کہ یہ لوگ اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کے علم کا مدار محسوسات سے آگے نہیں ہے جس کی تفصیلات علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں بیان کی ہیں۔ ان کے اذہان قبول ہی نہیں کرتے کہ محسوسات کے علاوہ بھی کوئی حقائق عالم نفس الامر میں موجود ہیں۔ اور ایسا طبقہ ہر دور میں چلا آیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی تو قدم قدم پر یہی طبقہ جھگڑتا ہوا نظر آتا ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں نہایت وضاحت سے

سے کیا ہے۔

لن نؤمن لك حتیٰ نری اللہ جھرۃً

ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ جبتک کہ خدا کو اپنی ظاہری حِسّ سے نہ دیکھ لیں۔ ایک دوسری جگہ آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام جب اپنی قوم کو ساتھ لیکر چلے۔ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السّلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے بھی ایسے ہی خدا بنا دیجئے۔ جیسا کہ ان لوگوں کے خدا ہیں۔ باوجودیکہ وہ خداوند تعالےٰ کے وعدے اپنی آنکھوں پورے ہوتے دیکھ چکے تھے۔ فرعون غرق ہو چکا تھا۔ اور دریا نے انہیں گزرنے کا راستہ دے دیا تھا۔

اس طبقہ کے اذہان مادیات سے اس حد تک مانوس و مالوف ہو جاتے ہیں کہ اس سے آگے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مانوسیت و مالوفیت بھی ایک ایسی قومی ذی اثر حقیقت ہے۔ کہ بعض اوقات اس کے اثرات واقعاتی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس ذیل میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے۔ جو واقعتہً تو شاید سچی نہ ہو لیکن اس کا سانچہ کچھ ایسے انداز میں تیار ہوا ہے کہ حقیقت واقعیہ کا اس پر گمان ہوتا ہے۔

حکایت

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کسی بادشاہ کا ایسی لڑکی پر دل آگیا۔ جو

اچھے پیشے سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ اس کا آبائی پیشہ لوگوں کے گھروں سے کوڑا کرکٹ صاف کرنا تھا۔ میلے کچیلے بدبُودار کپڑے پہننا اور بچا کچا گلا سڑا کھانا اس کی زندگی کا معمول تھا۔ بادشاہ کے تعلق کے بعد اس کا پورا نظامِ زندگی بدل گیا میل کچیل نے صفائی۔ اور بدبُو نے عطریات و خوشبویات کا مقام سنبھالا۔ باسی اور گلا سڑا کھانا رخصت ہُوا۔ انواع و اقسام کے اطعمہ میسر آ گئے۔ مگر اس معاشرتی تبدیلی نے اس کی صحت پر بُرا اثر ڈالا اور وہ بیمار ہو گئی۔

اطراف مملکت سے طبیب بلائے گئے۔ علاج کئے گئے۔ کوئی فائدہ نہ ہُوا۔ بادشاہ اور اس کے طبیب حیران تھے کیونکہ "مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی" والا معاملہ ہو رہا تھا۔ آخر ایک بوڑھے تجربہ کار حکیم کو سوجھی کہ ذرا اس کا خاندانی اتہ پتہ لیا جائے۔ جوئندہ یابندہ۔ کسی واقف کار نے ڈرتے ڈرتے کان میں حقیقت حال سے آگاہی کر دی۔ اس حقیقت سے آگاہی کے بعد حکیم صاحب نے فرط مسرت سے اعلان کیا کہ اب میں نے مرض معلوم کر لیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے یہ کیا کہ محل میں خوشبو و عطریات کا داخلہ قطعی بند کر دیا۔ اور بادشاہ سے نظر بچا کر اس ماحول کا دوبارہ احیاء کرنے کی کوشش کی جس سے اس کی جبلت و فطرت مانوس تھی۔ نسخہ تیر بہدف ثابت ہُوا۔ اور مریضہ صحت یاب ہو گئی۔

یہی حالت ان حضرات کی ہے۔ یہ لوگ محسوسات و مادیات سے اس قدر مالوف و مانوس ہو چکے ہیں کہ اس ماحول سے باہر قدم رکھنا ان کیلئے کفر کے

مترادف ہے۔

ایک دفعہ بندیال کے ایک بڑے مولوی صاحب سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ وہ محسوسات و مادیات سے ایک انچ ادھر اُدھر ہونا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یاساریۃ الجبل کا کیا واقعہ ہے۔ اس نے صاف انکار کیا۔ اور اس واقعہ کو مافوق الاسباب بتلاتے ہوئے ایک جھوٹا افسانہ قرار دیا۔ خدا کی قدرت اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور اُبھری ہوئی تھیں لیکن ان کی بینائی پاک طینت لوگوں کی گستاخیوں کے پاداش میں زائل ہو چکی تھی۔ العیاذ باللہ ان جہلا کو کون بتلائے کہ معجزات و کرامات کا ظہور مافوق الاسباب ہوتا ہے۔

امام العارفین سید السالکین سیدنا و مولانا حضرت مخدوم سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور و معروف معرکۃ الآرا تصنیف **کشف المحجوب** کا نہایت عام فہم بامحاورہ اُردو ترجمہ

اگرچہ اس کتاب کے بہت سے اُردو تراجم پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں لیکن بعض ترجمے اصل عبارت فارسی کے مطابق نہیں اور کئی عبارتیں بھی حذف ہو گئی ہیں۔ یہ ترجمہ کسی قسم کی قطع و بُرید کے بغیر حضرت داتا صاحب کی اصل فارسی کتاب کے مطابق کیا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق آپ نے فرمایا میرا مقصود اس کتاب (کشف المحجوب) سے یہ ہے کہ جس کے پاس یہ کتاب ہو اُسے اور کسی کتاب کی حاجت نہ رہے

نوری بُک ڈپو۔ بالمقابل دربار داتا صاحب لاہور

ہدیہ -/۹ روپے پلاسٹک کور -/۱۰

مدینۃ اولیاء لاہور
کے ۱۵۲ اولیائے کرام کے حالاتِ طیبات

بزرگانِ لاہور

مرتبہ

پیر غلام دستگیر نامی

میں ملاحظہ کیجئے۔ صفحات ۲۵۴۔
رنگین گرد پوش۔ قیمت مجلد چھ روپے

-/۶

سیرت سیدنا حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ

مصنفہ علامہ نور بخش توکلی ایم۔اے

حضرت علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور
غوث پاک رضی اللہ عنہ کے حالاتِ طیبات
نہایت مستند کتب عربی مثل بہجۃ الاسرار
طبع مصر سے اخذ کر کے اس کتاب کو مرتب فرمایا
ہے اس کتاب کی اہمیت وافادیت
مصنف علام کے نام سے ظاہر ہے
قیمت تین روپے

امام احمد رضا

مؤلفہ علامہ بدر الدین احمد قادری

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا
خانصاحب بریلوی قدس سرہ کے حالاتِ
زندگی، کمالات علمی اور مقاماتِ روحانی کا
مستند تذکرہ صفحات
ٹائٹل رنگین قیمت مجلد پانچ روپے

تذکرہ فریدیہ

مصنفہ حضرت علامہ محمد مشتاق احمد چشتی

شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود
گنج شکر قدس سرہ العزیز کے حالاتِ زندگی
اور کمالات باطنی کا مستند تذکرہ
صفحات ۹۶ رنگین ٹائٹل
قیمت ایک روپیہ ۲۵ پیسہ

نوری بک ڈپو۔ بالمقابل دربار داتا صاحب لاہور

اعلیحضرت پیر طریقت الحاج محمد معصوم شاہ صاحب علیہ رحمۃ اللہ کی تصانیف کا سلسلہ

مواعظ قرآن و الحدیث حصہ اول

اس کتاب کا ہر وعظ قرآن اور حدیث اور اقوالِ بزرگان دین سے لکھا ہے جو نہائت مفید مدلل اور دلکش ہے اس میں مندرجہ ذیل بیان ہیں ۔ حمد باری تعالےٰ ۔
فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فضائل اہل بیت ۔ فضائل صحابہ فضائل وضو و فضائل نماز و فضائل قرآن ۔ فضائل جمعہ ۔ فضائل رمضان وغیرہ وغیرہ نیز ہر وعظ کے آخر میں ایک نہائت مفید اور بہترین نظم ہے ہدیہ صرف ایک روپیہ ۵۰ پیسے

معصوم ہدایت ۱۰۰ روپیہ

مواعظ قرآن و الحدیث حصہ دوم

حضرت شاہ صاحب کی معرکتہ الآرا تحریر جو کہ ۲۶ وعظوں سے مزین ہے اور ہر وعظ کے خاتمہ پر ایک اصلاحی پنجابی نظم ہے ۔ جس میں فضائل درود شریف ۔ فضائل محرم ۔ فضائل جہاد ۔ در سود کا بیان ہے ۔ تجارت ۔ شراب ۔ تعلیم نسواں اور نیک و بد عورتوں کا بیان ہے فضائل بیت اللہ فضائل صدقات فضائل جمعہ فضائل سید المرسلین فضائل مکہ مکرمہ معظمہ مدینہ منورہ جو کہ ہر لحاظ سے مطالعہ کے لائق ہے ہدیہ ۵۰-۱ روپیہ

گلدستہ ہدائیت

مواعظ قرآن و الحدیث حصہ سوم

اس حصہ میں صاحب تصنیف نے محنت سے ہر وعظ قرآن پاک کی آیات احادیث مبارکہ کی روشنی سے مزین کیا ہے اسمیں ۳۰ ابواب ہیں اور ہر باب کے اختتام پر ایک پنجابی نظم درج ہے اس میں مندرجہ ذیل باب ہیں باب امارت ۔ باب طہارت ۔ باب ولیمہ ۔ باب نفقات ۔ باب جنازہ ۔ باب عیدین ۔ باب نفلی روزہ ۔ باب بیمار پرسی ۔ باب نکاح ۔ باب نذر ۔ باب تلاوت قرآن پاک باب استغفار ۔ باب میراث اور والدین ۔ بر احکامات اور اولاد کا فرض ہدیہ ۹۲-۱ روپیہ

اسلامی شادی ۲ر

نوری بک ڈپو ۔ بالمقابل دربار داتا صاحب لاہور